۱۳۰۹ھ

انگریزوں سے جہاد حرام ہے۔ ابو الوھابیہ محمد حسین بٹالوی

## حصہ اول

رسالہ

# الاقتصاد فی مسایل الجہاد

جسکو

ابو سعید محمد حسین لاہوری ایڈیٹر رسالہ اشاعۃ السنۃ نے

تالیف کیا

انگریزوں سے جہاد حرام ہے۔ ابو الوھابیہ محمد حسین بٹالوی

مختلف فرقہ ہائے اہل اسلام کے خواص و عوام نے

پسند کیا

اور

پنجاب کے نامور و ہر دلعزیز نفٹنٹ گورنر سر چارلس ایچیسن صاحب بہادر کی سی ایس آئی وغیرہ وغیرہ نے اپنے نام نامی سے اسکا

ڈیڈیکیٹ ہونا منظور فرمایا

اور

اسمین مسئلہ جہاد کی ایسی تحقیق و شرح ہوئی ہے جسکی نظیر اسوقت تک کسی کتاب

مین جو اسباب مین تالیف و مطبوع ہو چکی ہین پائی نہین گئی

وکٹوریہ پریس مین چھپا

ناشر: مکتبہ الجمال چک $\frac{114}{10-R}$ تحصیل خانیوال۔ ڈاکخانہ جہانیاں منڈی ضلع ملتان

انگریزوں سے جہاد حرام ہے۔ ابو الوھابیہ محمد حسین بٹالوی

# التماس

ناظرین با تمکین سے جو اصل اصول مسایل رسالہ "اقتصاد" کی نسبت بجواب استشہاد مندرجہ ضمیمہ اشاعۃ السنۃ نمبر ۱ جلد ۲ مشتہرہ نومبر ۱۸۷۶ء توافق رائے ظاہر فرما چکے ہیں اب اسکے تفصیلی مسایل اور اسکے دلایل کی نسبت اپنا توافق رائے ظاہر کریں اور اپنے نام نامی بخط واضح پوری تفصیل مقام خطاب و عہدہ سے تحریر میں لاکر ہمارے پاس بھیجدیں ہم ان ناموں کو شمول رسالہ اقتصاد یا بذریعہ اشاعۃ السنۃ گورنمنٹ میں پیش کرینگے اور سلطنت انگلشیہ کی نسبت انکی وفاداری و اطاعت شعاری کو خوب شہرت دینگے

اور جنکو اس رسالہ کے کسی مسئلہ یا دلیل کی نسبت کوئی علمی یا مذہبی اعتراض ہو وہ اپنے اعتراض سے مؤلف کو آگاہ کریں ان کے اعتراض کا جواب جسطرح وہ چاہئیں (خفیۃً خواہ علانیۃً) دیا جائیگا اور ان کے نام کا ہرگز کہیں ذکر نہو گا۔

واللہ علی ذلک شہید وکفی باللہ شہیدا وکفی باللہ وکیلا

# حصہ اوّل

# الاقتصاد فی مسایل الجہاد

## بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله الهادی من استهداه الواقی من اتقاه والصلوة والسلام

خدا کا شکر ہے جو طالبان ہدایت کو راہ دکھاتا ہے اور پرہیزگارون کو عذاب سے بچاتا ہے اور

علی رسوله الذی خصه بالحنیفیة السمحة من بین جمیع من بناه د

اُسکے رسول پر اُسکی رحمت وسلام ہو جسکو اُسنے اپنے تمام رسولون سے یکسو و آسان دین سے مختص

علی آله واصحابه الذین کمل الله بهم امر رشده وهداه

فرمایا اور آپ کے آل اصحاب پر جنکے ذریعہ سے خدا نے اپنے ارشاد و ہدایت کو کامل کیا۔

اما بعد یہ رسالہ **الاقتصاد فی مسایل الجہاد** مینے دو غرضین پیش نظر رکھکر تالیف کیا ہے - اول یہ کہ ناواقف اہل اسلام جہاد کے متعلق مسایل و شروط اسلام سے واقف ہون اور اقوام غیر سے جنگ کرنے کو صرف اس نظر سے کہ وہ مخالف اسلام ہین شرعی جہاد سمجھکر اسمین شامل ہونے کو دین نہ سمجھ لین - جبتک کہ اس جنگ مین اُن شرائط کا وجود جو شرعی جہاد کے لئے اسلام مین مقرر ہین ثابت

کرلین اور اس تحقیق شرائط و علم مسائل کے ذریعہ سے وہ ہمیشہ بلوے و فساد سے بچے رہین نہ اپنے جان و مال کو بے موقع تلف کرین نہ اور لوگون کی ناحق خونریزی کرین۔ دوسری غرض یہ کہ اقوام غیر اور گورنمنٹ جنکے ظل حمایت مین اہل اسلام ہندآباد مین اہل اسلام کی نسبت یہہ گمان نہ کرین کہ صرف مذہبی مخالفت کی نظر سے اقوام غیر کے ساتھ لڑنا اور اُن کے جان و مال سے تعرض کرنا اور لوگون کو جبراً مسلمان بنانا اور زور شمشیر سے اسلام پھیلانا ان کے مذہب اسلام کی ہدایت سے ہے ان دو تو غرضون کا نتیجہ یہہ ایک غرض ہے کہ حاکم و محکوم اور عام رعایا اور خاص اہل اسلام مین رابطہ اتحاد* پیدا ہو اور ملک مین ہمیشہ امن و امان قایم ہے +

یہ رسالہ مینے ۱۸۷۶ء مین تالیف کیا اور اسمین علماء اسلام کی رائین لینے اور اُن کا توافق رائے حاصل کرنے کے لئے لاہور سے عظیم آباد پٹنہ تک سفر کیا اور اکابر علماء مختلف فرقہائے اسلام کو یہ رسالہ حرف بحرف سُنا کر اُنکا توافق رائے حاصل کیا اور بعض بلاد ہندوستان و پنجاب مین (جہان راقم خود نہین جاسکا) اس رسالہ کی متعدد کاپیان بھیجکر ان بلاد کے اکابر علماء کا اتفاق رائے حاصل کیا پھر ۱۸۷۹ء مین اس رسالہ کے اصل اصول مسائل کو بضمن ضمیمہ نمبر ۱۱ جلد ۲ رسالہ اشاعۃ السنۃ بعنوان استشہاد عام لوگون مین شایع کیا اور اس مین عام اہل اسلام کو ان مسائل مین اپنی آرا ظاہر کرنے کا موقع دیا۔

---

* امور دنیا مین اتحاد۔ گو مذہب مین اختلاف ہو۔

جسپر بہت سے مواضع ہندوستان و پنجاب کے (جہان وہ ضمیمہ پہونچا) عمدہ عوام و خواص نے اُن مسایل کی نسبت اپنا اتفاق رائے ظاہر کیا اور اصل رسالہ " اقتصاد " کی طبع و اشاعت کی نسبت کمال شوق ظاہر فرمایا ان کے اس شوق کو بڑھانے اور عام ناواقفون کے خیال مین ان مسایل کی خوبی جمانے کی نظر سے مین اس رسالہ کی طبع و اشاعت کو معرض التوا مین ڈالتا گیا اس اثنا مین ان مسایل کا استحسان بخوبی ہوگیا اور برادران اہل اسلام کا شوق طبع رسالہ بھی اپنی حد کمال کو پہونچا اسلئے مین اب اس رسالہ کی اشاعت کو مناسب سمجھتا ہون -

قبل بیان شروط و مسایل جہاد ایک تمہید کا بیان ضروری ہے -

## وہ تمہید یہ ہے

جہاد (جو اسلام و مسلمانون مین ایک رکن عظیم مانا جاتا ہے) دو قسم ہے ملکی و مذہبی ملکی* جہاد (جسکو ملکی لڑائی بھی کہا جاتا ہے) کے اصول و اغراض اہل اسلام کے نزدیک بھی وہی مقرر و مسلم ہین جو ہر ایک صاحب شوکت قوم یا ریاست یا سلطنت مین تسلیم کئے جاتے ہین یعنے اپنا (یا یون کہو کہ اپنی قوم کا)

* ملکی وہ جہاد ہے جس سے ملک گیری مقصود ہو۔ مذہب مخالفین سے اسکو کوئی تعلق نہو وہ مسلمانون پر بھی ویسا ہی کیا جاتا ہے جیسا کہ مخالفین اسلام سے۔ مذہبی جہاد وہ ہے جس مین مذہب اسلام کا تحفظ مدنظر ہو اور وہ ان لوگون سے کیا جاتا ہے جو مسلمانون کے مذہب مین دست اندازی کرین اور مسلمانون کو تکلیف دین +

بول بالا چاہنا اور دوسرون کو اپنے ماتحت کرنا اور اس ذریعہ سے عامہ خلائق مین حفظ وامن قایم کرنا اس جہاد (یا لڑائی) مین فریق مقابل کے مذہب کا ہرگز لحاظ نہین ہوتا جو لوگ ذی شوکت اہل اسلام کی اطاعت سے خارج ہون (مسلمان ہون خواہ اقوام غیر) اُن سے وہ لڑتے ہین چنانچہ عام اہل شوکت اپنے باغیون اور مخالفین سلطنت سے لڑتے ہین اور اپنی قومی جمعیت اور سلطنت قایم کرتے ہین اسی نظر سے اس جہاد کو ملکی لڑائی کہا جاتا ہے ۔

ان اصول کی تسلیم وعدم تسلیم مین مسلمانون اور اقوام غیر مین کچھ فرق نہین ہے ہان فرق ہے تو اسقدر ہے کہ اور لوگ ان اصول واغراض کو دنیاوی سمجھتے ہین ۔ مسلمان اپنے اور امور دنیاوی (کھانے پینے خریدنے اور فروخت کرنے) کی طرح ان اصول کو بھی داخل دین اور موجب ثواب سمجھتے ہین اور ان کے مذہب مین ان اصول کے قائم رکھنے اور ان اغراض کے پورا کرنیکی بابت بھی ویسی ہی ہدایتین آچکی ہین جیسے کہ ان کے اور مذہبی اور دنیاوی امور کی بابت ہدایتین آچکی ہین +

مذہبی جہاد (یا لڑائی) کے اصول و اغراض حفظ وحمایت اسلام اور مدافعت ضرر مخالفین اسلام ہے یہان مخالفین اسلام سے کیا جاتا ہے جو مذہب اسلام کے مزاحم ہون مسلمانون کو مذہبی لحاظ سے ستادین انکی مذہبی آزادی مین دست اندازی کرین اس جہاد مین اپنے مذہب واہل مذہب کے بچاؤ و محافظت کے علاوہ دوسرے

مذہب والون سے جابرانہ مزاحمت کرنا (کسیکو زبردستی مسلمان کرنا یا انکو پہلے مذہب کی سزا دینا مار ڈالنا یا لوٹ لینا) مدنظر واصل مقصود نہین ہوتا۔

ان دونو قسم کے جہاد کے لئے مذہب اسلام مین ایسے شروط و مواقع مقرر ہین جنسے سرموئے بھی تجاوز کرنے سے جہاد (ملکی ہو خواہ مذہبی) جہاد نہین رہتا بلکہ فتنہ وفساد کہلاتا ہے ✦

ہم اس مقام مین ملکی جہاد کے شروط ومسایل سے تعرض کرنا نہین چاہتے اور نہ اسکی چندان ضرورت دیکھتے ہین صرف مذہبی جہاد کے احکام و شرایط معہ ان کے نتایج کے بضمن چند مسائل بیان کرتے ہین۔ کیونکہ اسمین ناواقف مسلمان اکثر احکام اسلام کا خلاف کرتے ہین اور اسی مین ناواقف اقوام اصل اسلام و مسلمانون پر بدظنی کرتے ہین ✦

## پہلا مسئلہ

مذہبی جہاد اصول مقاصد اور اصل مطالب خداوندی سے نہین ہے جو مخلوق کے پیدا کرنے اور انبیاء کے بھیجنے سے منظور الٰہی ہین بلکہ اصل مقصود پیدایش مخلوق وبعثت رسولون سے خدا کی عبادت وذکر ہے جہاد صرف اس عبادت وذکر کو قایم رکھنے کا ذریعہ ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے مینے جنون اور آدمیون کو کسی کام کے لئے بجز اپنی عبادت کے پیدا نہین کیا اور فرمایا کہ ان کو بجز اس کے کچھ

وماخلقت الجن والانس الا

ليعبدون (ذاريات ع۳)

وما امروا الا ليعبدوا الله مخلصين له الدين حنفاء ويقيموا الصلوة ويوتوا الزكوة (بينة ع۱)

الذی خلق الموت والحيوة ليبلوكم ايكم احسن عملاً ط (ملك ع۱)

وفی السنة ان افضل الاعمال و احبها الى الله العبادة والذكر. فعن ابن مسعود رض قال سالت النبی صلے الله عليه وسلم ای الاعمال احب الى الله قال الصلوة لوقتها قلت ثم ای قال بر الوالدين قلت ثم ای قال الجهاد فی سبيل الله رواه الشيخان (مشكوة ص)

وعن ابی الدرداء قال قال رسول الله صلعم الا انبئكم بخير الاعمال وازكاها عند مليككم

کچھ حکم نہین ہوا کہ وہ خدا کی خالص عبادت کرین اور نماز قایم کرین اور زکوۃ دین ٭

اور فرمایا خدا نے تمکو اسلیے پیدا کیا اور مارتا ہے کہ تم مین سے نیکوکار معلوم ہون

آنحضرت صلعم نے اسکی تفسیر مین فرمایا ہی کہ سب کامون سے افضل خدا کی عبادت و ذکر ہے - ابن مسعودؓ نے آپ سے پوچھا کہ خدا کو سب عملون سے زیادہ پیارا کونسا عمل ہے تو آپ نے فرمایا کہ نماز اپنے وقت پر پڑھنا پھر کون سا عمل آپ نے فرمایا ماباپ سے نیکی کرنا کہا اسکے بعد کونسا عمل آپ نے فرمایا خدا کی راہ مین جہاد* کرنا - ابو دردا نے روایت کیا ہی کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ مین تمکو سب عملون سی

---

* اس حدیث مین آنحضرت م نے جہاد کو (جو بلا شروط مقررہ جائز ہی نہین) وقت پر نماز پڑھنے اور ماباپ کے ساتھ احسان کرنے سے کم رتبہ ٹھرایا ٭

وارفعها فی درجاتکم وخیر لکم من انفاق الذهب والفضة وخیر لکم من ان تلقوا عدوکم فتضربوا اعناقهم ویضربوا اعناقکم قالوا بلی قال ذکر الله رواه مالک واحمد والترمذی (مشکوة ص۱۹۰)

وعن ابی سعید الخدری ان رسول الله صلی الله علیه وسلم سئل ای الاعمال افضل وارفع درجة عند الله یوم القیمة قال الذاکرون الله کثیراً والذاکرات قیل یا رسول الله ومن الغازی فی سبیل الله قال لو ضرب بسیفه فی الکفار والمشرکین حتی تنکسر ویختضب دماً فان الذاکر لله افضل منه درجة رواه احمد والترمذی (مشکوة ص۱۹۰)

بہتر اور خدا کی نزدیک پاکیزہ تر اور درجات مین سب سے برتر اور چاندی سونا خرچ کرنے اور دشمن سے* لڑکر اسکی گردن کاٹنی اور اپنی کٹوانے سے بہتر نہ بتاؤن لوگون نے عرض کیا کیون نہین بتائیے آپنے فرمایا وہ خدا کا ذکر ہے ۔

ابو سعید خدری نے روایت کیا ہے کہ آنحضرتؐ سے کسینے سب عملون سے افضل اور درجہ مین بالاتر عمل کا سوال کیا تو آپنے ذکر کرنیوالون کا حال بیان فرمایا سایل نے پوچھا کہ وہ خدا کی راہ مین لڑنیوالون سے بھی بہتر ہے آپ نے فرمایا ہان اگرچہ لڑنے والا مشرکین پر تلوار توڑ ڈالے* اور خون مین رنگا جائے تو بھی ذکر والا اس سے افضل ہے ۔

---

* ان ہی شروط سے جو جہاد کے لئے مقرر ہین ۔ بلا وجود شرائط کبھی جہاد شرعی نہین کہلاتا ۔ اور نہ اسپر اجر کی امید ہے ۔

وعن معاذ قال قال رسول اللہ صلعم
یا معاذ ھل تدری ما حق اللہ علے
عبادہ وما حق العباد علی اللہ قلت اللہ
ورسولہ اعلم قال فحق اللہ علی العباد
ان یعبدوہ ولا یشرکوا بہ شیئا وحق
العباد علی اللہ ان لا یعذب من لا یشرک
بہ شیئا۔ رواہ الشیخان۔ (مشکوۃ ص۱۴)

وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلعم
من اٰمن باللہ ورسولہ واقام الصلوۃ
وصام رمضان کان حقا علی اللہ ان
یدخلہ الجنۃ جاھد فی سبیل اللہ
او جلس فی ارضہ التی ولد فیھا قالوا
افلا نبشر بہ الناس قال ان فی الجنۃ
مائۃ درجۃ اعدھا اللہ للمجاھدین الخ
رواہ البخاری۔ (مشکوۃ ص۳۳۱)

معاذ بن جبل سے آنحضرت صلعم نے پوچھا کہ
کیا تو جانتا ہے خدا کا حق بندون پر کیا ہے
اور بندون کا حق خدا پر کیا ہے انھون نے
عرض کیا کہ خدا اور رسول خوب جانتے
ہین آپ نے فرمایا خدا کا حق بندون پر
یہ ہے کہ وہ اسکی عبادت کرین اور اسکو
اسکا شریک نہ بناوین اور بندون کا
حق خدا پر یہہ ہے کہ پھر وہ انکو عذاب
نکرے۔ ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت
صلعم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی خدا اور رسول پر
ایمان لایا اور نماز روزہ کو اسنے ادا کیا
اسکا خدا پر حق ہو چکا کہ اسے بہشت مین
داخل کرے خواہ وہ خدا کی راہ مین لڑا
ہو خواہ اسی جگہ بیٹھ رہا ہو جہان وہ پیدا
ہوا لوگون نے عرض کیا کہ یہ خوشخبری
ہم لوگون کو سنا دین آپ نے فرمایا بہشت مین سو درجہ ہین جو مجاہدین کے لئے تیار
ہین یعنے وہ جہاد کرین گے تو ان درجون کو پاوین گے ●

اس فقرہ اخیر حدیث ابوہریرہ مین جو مجاہدین کے لئے بشارت وارد ہے ایسا ہی جو اور روایات مین جہاد پر اجر و ثواب اور ترک جہاد پر ناخوشی اور وعید عذاب وارد ہے ہمارے مسئلہ اول کے مخالف نہین کیونکہ یہ اسی صورت مین ہے کہ عبادت و ذکر سے مسلمان روکے جائین اور جہاد کی ضرورت آپڑے چنانچہ مسئلہ دوم مین اسکی خوب تشریح ہوگی ◆

## نتیجہ مسئلہ اولے

اس مسئلہ سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اسلام و ایمان کا کمال اور مسلمانون کی نجات جہاد پر موقوف و منحصر نہین مسلمانون کو اگر دین سے روک نہو تو صرف عبادت سے ان کی نجات و کمال ایمان متصور ہے۔ لہذا اقوام غیر کا مسلمانون کی نسبت یہ گمان کہ جو ان مین پکا اور مذہب کا سچا ہوگا وہ اپنے مخالفین مذہب سے جہاد کرنے کا ضرور ارادہ رکھتا ہوگا۔ محض غلط و بہتان ہے جو مذہب اسلام سے ناواقفی پر مبنی ہے ◆

## دوسرا مسئلہ

مذہبی جہاد نہ اس غرض سے مشروع ہے کہ کافرون٭ کو دنیا مین کفر کی سزا دین

---

٭ کافر یعنی منکر ہے۔ اور یہ لفظ اس معنی کی نسبتی اور ایسا وسیع ہے کہ ہر ایک فرد کو بھی تو اس مذہب کے جس سے وہ منکر ہو کافر کہا جا سکتا ہے۔ حتی کہ مسلمان خود اپنے آپ کو دوسرے مذاہب کا کافر یعنی منکر کہتے ہین۔ حضرت ابراہیم اور انکے اصحاب نے اپنے مخالفون کو کہا ہے کہ ہم تمہارے کافر یعنی منکر ہین (کفرنا بکم ممتحنہ ع ۱) خدا نے فرمایا ہے جو طاغوت کا کافر ہوا اسنے مضبوطی سے اسلام کو (فمن یکفر بالطاغوت بقرہ ع ۳۴) [illegible]

اور نہ اس غرض سے ہے کہ ان کو جبراً مسلمان کرین اس جہاد سے غرض جو خدا و رسول کی کلام سے سمجھ مین آتی ہے یہ ہے کہ مسلمانون کو مخالفین مذہب کی مزاحمت* بیجا سے بچاوین خدا کی عبادت کا (جو مخلوق کی پیدائش اور رسولون کی بعثت سے مقصود خداوندی ہے) راستہ صاف کرین ۔ اور اس راستہ سے روکنے والون کو راستہ سے ہٹاوین حق تعالی نے فرمایا ہے خدا کی راہ

| | |
|---|---|
| وقاتلوا فی سبیل الله الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان الله لا یحب المعتدین (بقر ع ۲۴) | مین ان لوگون سے لڑو جو تم سے لڑتے ہین اور اس سے آگے نہ بڑھو خدا حد سے بڑھنے والون کو دوست نہین رکھتا ۔ |
| قالوا وما لنا الا نقاتل فی سبیل الله وقد اخرجنا من دیارنا وابنائنا (بقر ع ۳۲) | اور قوم شمویل سے نقل فرمایا ہی کہ انہون نے اپنی نبی کو کہا ہم خدا کی راہ مین کیون نہ لڑینگے |

---

* ایسا ہی فتح القدیر حاشیہ ہدایہ مین کہا ہے کہ جہاد سے مقصود نہ صرف امتحان مکلفین ہے بلکہ

| | |
|---|---|
| المقصود منه (ای الجهاد) لیس مجرد ابتلاء المکلفین بل اعزاز الدین ودفع شر الکفار عن المومنین بدلیل قوله تعالی وقاتلوهم حتی لا تکون فتنة ویکون الدین کله لله (فتح القدیر ص ۱۹۳ جلد ۲) | دین کو (یعنے اہل اسلام کو) عزت دینا اور مسلمانون سے کفار کی تکلیف دہی کو روکنا اس سے مقصود ہے پھر خدا تعالی کا یہ قول دلیل ہے کہ تم کفار (تکلیف دینے والون) سے لڑو تاکہ مسلمانون کو تکلیف نہ ہو اور دین سب ہی خدا کا ہو (یعنے اسکا کوئی مزاحم نہ رہے) |

وما لکم لا تقاتلون فی سبیل الله
والمستضعفین من الرجال والولدان
الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ
القریۃ الظالم اھلھا (نساء ع ۱۰)
ودوا لو تکفرون کما کفروا فتکونون
سواءً فلا تتخذوا منھم اولیاء حتے
یھاجروا فی سبیل الله فان تولوا فخذوھم
واقتلوھم حیث وجدتموھم ولا تتخذوا
منھم ولیًا ولا نصیرًا الا الذین یصلون
الی قوم بینکم وبینھم میثاق او جاؤکم
حصرت صدورھم ان یقاتلوکم او
یقاتلوا قومھم ولو شاء الله لسلطھم
علیکم فلقاتلوکم فان اعتزلوکم ولم
یقاتلوکم والقوا الیکم السلم فما جعل الله
لکم علیھم سبیلًا (نساء ع ۱۲)
الا تفعلوہ تکن فتنۃ فی الارض وفساد
کبیر (انفال ع ۱۰)

جب ہم اپنے گھرون اور اولاد سے نکالے گئے
ہین اور مسلمانون کو مخاطب ہو کر خود فرمایا تمکو
کیا ہوا ہے تم خدا کی راہ مین اور عاجز
لوگون اور بچون کے لئے جو کہتے ہین خدایا
ہمکو اس ظالمون کی بستی سے نکال نہین لڑتے
اور فرمایا مکہ اور اسکے اطراف کے کافر چاہتے
ہین تم بھی ویسے ہی کافر ہو جاؤ پس ایک جیسے
ہو رہو۔ تم انکو دوست نہ بناؤ جبتک خدا
کی راہ مین وطن نہ چھوڑین یہ لوگ (تمہارے
دشمن) تمہاری دوستی سے منہ پھیرین تو
انکو پکڑو اور جہان پاؤ مارو بجز ان کے جو تمہارے
عہد پیمان والون سے جا ملین یا وہ تم سے اور تمہارے
دشمنون دونو سے لڑنے کو پسند نہ کرین۔ خدا چاہتا
تو انکو تمپر مسلط کرتا اور وہ تم سے لڑتے اب جو وہ تم سے
کنارہ گزین ہین اور تم سے نہین لڑتے اور صلح کا پیام
دیتے ہین تو خدا نے تمکو انکا راستہ نہین دیا اور
فرمایا تم ظالمون سے نہ لڑو گے تو زمین مین سخت فساد پھیلیگا

ان اللّٰہ یدافع عن الذین امنوا ان اللّٰہ
لا یحب کل خوان کفور - اذن للذین
یقاتلون بانہم ظلموا وان اللّٰہ علی
نصرہم لقدیر ۔ الذین اخرجوا من
دیارہم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا
اللّٰہ ولولا دفع اللّٰہ الناس بعضہم
ببعض لہدمت صوامع وبیع وصلوات
ومساجد یذکر فیہا اسم اللّٰہ کثیرا ط
(الحج ع ۶)

والذین اذا اصابہم البغی ہم ینتصرون
وجزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا فمن عفا
واصلح فاجرہ علی اللّٰہ انہ لا یحب
الظالمین (شوری ع ۴)

اور فرمایا خدا مسلمانون سے ایذا کو روکتا ہے
وہ ناشکر خائنون کو پسند نہیں کرتا جن سے
ظالم لوگ لڑتے ہین انکو مظلوم ہونیکے سبب
لڑنے کی اجازت ہے خدا انکی مدد پر قادر ہے
وہ لوگ جو اپنے گھرون سے ناحق نکالے گئے ہین
اسی بات کے سبب کہ انہون نے کہا کہ ہمارا رب
اللہ ہے - اور اگر خدا لوگون کو ایکدوسرے
سے نہ بچاوے تو گرجے* (عیسائیون کے چرچ)
یہودیون کے عبادتخانے اور مسلمانون کی
مسجدین جنمین خدا کا نام لیا جاتا ہے سبھی
ڈھائی جاتین اور خدا اپنے نیک بندون کی تعریف
مین فرمایا ہے جب انپر کوئی سرکشی کرتا ہے تو وہ اُسے
بدلہ لیتے ہین اور بُرائی کا بدلہ اسکے برابر ہے جو معاف

---

* اس آیت سے صاف ثابت ہے کہ مذہبی جہاد سے نہ صرف مسلمانون اور انکی مسجدون کی حفاظت مقصود خداوندی ہے۔ بلکہ عیسائیون اور یہودیون اور انکی عبادت خانون کی حفاظت بھی مقصود خداوندی تھا اور اسی غرض و مقصود سے یہودیون نے بھی مذہبی جہاد کیا تھا۔ اور مذہبی لڑائی اور تعلیم (بیت المقدس) مین ہوتی تھی اسمین عیسائی بھی جہادی تھے قائل مذہبی جہاد اسکی غرض کو اسلام کی تعلیم کرنا مقصود نہیں۔

لا ینہٰکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی
الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان
تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب
المقسطین انما ینہٰکم اللہ عن الذین
قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم
وظاھروا علے اخراجکم ان تولوھم و
من یتولھم فاولئک ھم الظالمون ۔
(الممتحنہ ع ۲)

کرے اور سنوارے اسکا اجر خدا پر ہے
خدا ظالمون سے خوش نہین ہے اور
فرمایا خدا تمکو ان لوگون سے سلوک و
احسان کرنے سے مانع نہین جو تم سے
دین کے سبب نہین لڑے اور تم کو
تمہارے گہرون سے نہین نکالا خدا
انصاف والون سے خوش ہے تم کو
انہی لوگون کے ساتھ سلوک اور دوستی
سے خدا روکتا ہے جو تم سے دین کے سبب لڑتے ہین اور تمہارے دشمنون کو
تم پر مدد دے چکے ہین جو ان کو دوست سمجہین گے وہ ظالم ہین ۔

ان آیات مین صاف صاف بیان ہوا ہے کہ یہہ جہاد اسی غرض سے مشروع ہوا ہے کہ مسلمان آزادی سے خدا کی عبادت کرین اور ان کے مخالف انکو عبادت وغیرہ شعایر اسلام سے نہ روکین اور وہ انہی لوگون سے مخصوص ہے جو مسلمانون سے لڑین اور ان کے مذہب مین دست اندازی کرین ۔

اس امر کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور بھی تشریح سے بیان کیا ہے اور ان لوگون کو مذہبی جہاد وقتل سے مستثنےٰ کر دیا ہے جنہے مسلمانون کے ساتھ لڑنے اور ان کے مذہب دست اندازی کرنے کا

اندیشہ نہین ہے •

ازانجملہ اقوام غیر کی مستورات ہین جو لڑائی مین شریک و معاون نہون اور کسی کے مذہب سے تعرض نکرین۔

ازانجملہ ان کے بڈھے لوگ ہین جنکو لڑنے یا لڑانے سے بحث نہو۔

ازانجملہ گرجون کے گوشہ نشین لوگ جنکو اپنے ذکر و شغل سے مطلب ہو نکسی کے مذہب سے

ازانجملہ قلی لوگ جنکو اپنی مزدوری سی کام ہوتا ہے نہ کیلئے کفر یا اسلام سے

ازانجملہ وہ لڑکے جو لڑائی کے لایق نہین ہوتے باوجودیکہ وہ کفر کے عقاید رکھتے ہین چنانچہ حضرت رباح (یا رباح) سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم نے ایک لڑائی مین ایک عورت کو مقتول پایا تو یہ ارشاد فرمایا کہ یہہ تو لڑائی نکرتے تھے (یعنے اسکو کیون مارا) آس لڑائی مین کمان افسر خالد بن ولید تھے ان کو حکم دیدیا کہ نہ کسی عورت کو مارین نکسی عسیف کو ایسا ہی حضرت ابن عمر سے مروی ہے اور حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے

فعن الرباح بن الربيع قال كنا مع رسول الله
صلى الله عليه وآله وسلم في غزوة فرأى
الناس مجتمعين على شيء فبعث رجلاً
فقال انظر ما اجتمع هولاء فجاء فقال
على امرأة قتيل فقال ما كانت هذه
تقاتل قال وعلى المقدمة خالد بن
الوليد فبعث رجلا فقال قل لخالد لا

تقتلن امرأۃً ولا عسیفاً (رواہ ابو داود
ص۳۶۳ ج۲ وابن ماجہ ص۲۰۸)
وعن ابن عمرؓ قال وجدت امرأۃ مقتولۃ
فی بعض مغازی النبی صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم فنہی عن قتل النساء والصبیان
(رواہ البخاری ص۴۲۳ ومسلم ص۸۴ ج۲)
وعن انسؓ ان رسول اللہ صلعم قال
انطلقوا بسم اللہ وباللہ وعلی ملۃ رسول
اللہ ولا تقتلوا شیخاً فانیاً ولا طفلاً
صغیراً ولا امرأۃ الحدیث (رواہ ابو داود
ص۳۵۱ ج۱)۔ وعن بریدۃ کان رسول اللہ
صلعم اذا امر امیراً قال لہ لا تقتلوا
ولیداً الحدیث (رواہ مسلم ص۸۲ ج۲)
وعن ابن عباس ان النبی صلعم قال لا تقتلوا
الولدان ولا اصحاب الصوامع (رواہ
احمد کذا فی الدرایۃ والنیل) وقد
امتنع رسول اللہ صلعم ومنع امتہ عن قتل

ارشاد فرمایا کہ نہ بہت بڈھے کو (یعنے
جو لڑائی کے کام کا نہ رہا ہو) مارو نہ
لڑکے کو نہ عورت کو ایسا ہی ہر ایک
کمان افسر کو حکم دیتے جب اسکو لڑائی
مین بھیجتے چنانچہ بریدہ نے آپ سے
روایت کیا ہے اور حضرت ابن عباسؓ
نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلے
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ بچون کو
مارو نہ ان لوگون کو جو صومعون
(حجرون) مین بیٹھتے ہین۔ یہی وجہ
ہے کہ جب آپ کسی قوم پر چڑھائی کرتے
تو وقت صبح کے منتظر رہتے۔ پھر
جب وہان سے اذان صبح کی آواز
سُنتے تو ان پر حملہ کرنے سے رُک جاتے
یہ حضرت انسؓ نے آنحضرت صلعم سے
روایت کیا ہے اور حضرت عصام مزنی
نے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلعم انکو

احدا من اهل قرية يرى فيها مسجد او يسمع منها صوت اذان - فعن انس ان النبی صلعم كان اذا غزى بنا قوماً لم يكن يغير بنا حتى يصبح وينظر فان سمع اذاناً كف عنهم الحديث رواه البخاری صـ٨٦) وعن عصلم المزنی قال بعثنا رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم فی سرية فقال اذا رأيتم مسجداً او سمعتم موذناً فلا تقتلوا احداً - (رواه ابوداؤد صـ٣٥٣ والترمذی صـ٢٠)

ایک لڑائی مین بھیجا تو ان کو بھی یہی ارشاد کر دیا کہ جہان تم کوئی مسجد دیکھو یا اذان کی آواز سنو وہان کسی کو نہ مارو (یعنی وہان کافر بھی بستے ہون تو ان کو نہ مارو کیونکہ وہ مسلمانون کو مسجد بنانے اور اذان کہنے سے مانع نہین تو بلحاظ مذہب قتل کے مستحق نہین) -

ان **اقوال** نبوی سے مطلب آیات تراز کی جو ہمنے بیان کیا ہے خوب تشریح ہوئی اور یہہ بات **ثابت ہوگئی** کہ مذہبی جہاد مسلمانون سے مذہبی روک ٹوک ہٹانیکو ہے نہ کافرون کو دنیا مین سزا کفر پہنچانے کو - یہ ہوتا تو حکم قتل وجہاد لڑنے والے کفار سے مخصوص نہ ہوتا - بہی کافرون (بڈھون - عورتون - قلیون - ناتمیز بچون - خانہ نشینون - مسجدون اور اذانون سے تعرض نہ کرنے والون) کو تہ تیغ کرنیکا حکم ہوتا - علی الخصوص راہبون اور چرچ والون کو جو مذہب عیسائی کے لیڈر مبر ہین -

**اب رہا ثبوت** اس امر کا کہ یہ جہاد کافرون کو جبراً مسلمان بنانے اور زبردستی دین اسلام پھیلانے کے لئے **نہین** ہے سو دلائل ذیل سے بخوبی ہوتا ہی

افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مومنین (یونس ع ۱۰)

لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی۔

(بقر ع ۳۴)

خدا تعالی فرماتا ہے کیا تو لوگون کو زبردستی مسلمان بناناچاہتا ہے۔ اور فرمایا دین مین زبردستی نہین ہے۔ ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے۔

روی ابن جبیر عن ابن عباس رضہ قال کانت المرأۃ تکون مقلاۃ فتجعل علے نفسہا ان عاش لہا ولد ان تہودہ فلما اجلیت بنو النضیر کان فیہم من ابناء الانصار فقالوا لا ندع ابناءنا فانزل اللہ عز وجل لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی (رواہ ابوداؤد ج ۲م) زاد فی المعالم فقال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم قد خیر اصحابکم فان اختاروکم فہم منکم وان اختاروہم فاجلوہم معہم وقال مجاہد کان الناس مسترضعین

حضرت انس رضہ ان آیات کے بیان شان نزول مین فرمایا ہے کہ انصار مین کوئی عورت لاولد ہوتی تو وہ یہہ منت مانتی کہ اگر میرا بچہ زندہ رہا تو مین اسکو یہودی بناؤن گی۔ پھر جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہود بنی نضیر کو جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ستاتے اطراف مدینہ سے جلاوطن کرنا چاہا تھا تو ان بچون کی نسبت یہودیون اور انکے وارثون انصار کا جھگڑا ہوا۔ انصار نے یہ دعوے کیا کہ یہہ ہماری اولاد ہین ہم ان کو جانے نہ دین گے اسپر یہہ آیات نازل ہوئین یہ ابوداود کی روایت ہے تفسیر معالم مین کہا ہے

فی الیہود من الاوس فلما امر النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم باجلاء بنی النضیر قال الذین کانوا مسترضعین فیہم لنذہبن معہم ولندینن بدینہم فمنعہم اہلوہم فنزلت لا اکراہ فی الدین الخ (معالم صـ۱۴۴)

کہ اس موقع پر آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ ان لوگون کو اختیار ملگیا ہے یہ تمکو پسند کرین تو تم مین سے ہین ۔ یہودیون کو پسند کرین تو انکے ساتھ یہ بھی جلاوطن ہون ۔

اس تفصیل سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ جبراً مسلمان کرنا خدا کو پسند نہین ہے ۔ یہ ہوتا تو جبر کا یہ عمدہ موقع تھا ان انصار کے لڑکون کو اپنے پاس رکھ لینے کا بظاہر خاصہ بہانہ تھا ۔ ان مسایل کے شواہد آیندہ مسایل کے ضمن مین بھی آوینگے ۔ انشاء اللہ تعالیٰ ۔

## نتایج مسئلہ دوم

مسئلہ دوم اور اسکے دلایل آیات واحادیث سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اقوام غیر کا مذہب اسلام کی نسبت یہ گمان کہ وہ صرف مذہبی ناگواری سے لڑنا سکھاتا اور جبراً اپنی تسلیم واشاعت چاہتا ہے غلطی ہے اور ناواقفی پر مبنی (۲) ایسا ہی بعض ناواقف مسلمانون کا ہر ایک مخالف مذہب سے صرف مخالفت مذہبی کی نظر سے لڑنا اور ان کے جان ومال سے تعرض کرنا (جیسا کہ سرحدی ناواقف مسلمانون کا دستور ہے) غلطی ہے اور ناواقفی پر مبنی (۳) جو مخالفین اسلام کسی کے مذہب سے تعرض کرنا جایز نہ سمجھین ۔ اور اس

امر کو خواہ بمقتضاے مداہنت خواہ بہدایت مذہب خواہ بحکم عقل واصول سلطنت بہت برا سمجھین (جیسا کہ برٹش گورنمنٹ کا حال وچال ہے) انسے مذہبی جہاد کرنا ہرگز جائز نہین ٭

## تیسرا مسئلہ

جس شہر یا ملک مین مسلمانون کو مذہبی فرائض ادا کرنے کی آزادی حاصل ہو وہ شہر یا ملک دار الحرب نہین کہلاتا۔ پھر اگر وہ دراصل مسلمانون کا ملک یا شہر ہو اقوام غیر نے اسپر تغلب سے تسلط پالیا ہو (جیسا کہ ملک ہندوستان ہے) تو جب تک اسمین ادائے شعایر اسلام کی آزادی ہے وہ بحکم حالت قدیم **دار الاسلام** کہلاتا ہے اور اگر وہ قدیم سے اقوام غیر کے قبضہ و تسلط مین ہو مسلمانون کو انہی لوگون کی طرف سے ادائے شعایر مذہبی کی آزادی ملی ہو تو وہ بھی دار الاسلام اور کم سے کم **دار السّلم والامان**[٭] کے نام سے موسوم ہونے کا مستحق ہے۔ ان دونو حالتون اور نامون کے وقت اس شہر یا ملک پر مسلمانون کو چڑھائی کرنا اور اسکو جہاد مذہبی سمجھنا جائز نہین ہے۔ اور جو مسلمان اس ملک یا شہر مین بامن رہتے ہون انکو اس ملک یا شہر سے **ہجرت** کرنا واجب نہین بلکہ اور ملکون یا شہرون سے (متبرک کیون نہون) جہان انکو امن وآزادی حاصل نہو ہجرت کرکے اس ملک مین آرہنا موجب قربت وثواب ہے ٭

---

[٭] سلم بکسر سین یعنی صلح ضد جنگ۔

اس شہر یا ملک پر چڑھائی نہ کرنے کے دلایل ضمن مسئلہ دوم گذر چکے ہیں کہ جہاں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی مسجد دیکھتے یا وہاں سے اذان کی آواز سنتے وہاں حملہ نہ کرتے اور نہ اس حملہ کی اجازت دیتے۔

اس شہر یا ملک کو دار الاسلام کہنے کی دلیل یہ ہے کہ جب وہ ایک دفعہ دار الاسلام ہو چکا اور اسلام کے تسلط میں آچکا ہے تو جب تک جملہ شعایر اسلام اس سے موقوف نہوں وہ دار الحرب یا دار الکفر کہلائے تو اسمیں اسلام پر کفر کا غلبہ تاثیر ثابت ہوتا ہے اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے چنانچہ بخاری نے بطور تعلیق۔ اور دار قطنی نے بہ سند موصول روایت کیا ہے کہ اسلام غالب ہے۔ کفر اسلام پر غالب نہیں ہوتا۔ اور یہی فقہاء حنفیہ کا قول ہے چنانچہ فتاوی عالمگیری اور فصول عمادیہ وغیرہ میں کہا ہے کہ دار الاسلام کبھی دار الحرب نہیں ہو سکتا جبتک کہ شعایر اسلام سے ایک خصلت کا وجود بھی وہاں رہے۔ ایسا ہی امام ماوردی نے کہا ہے ان کا قول عنقریب خاتمہ شواہد مسئلہ سوم میں منقول

الاسلام یعلو ولا یعلیٰ۔

(بخاری صـ۱۸۰)

ان دار الاسلام لا یصیر دار الحرب
اذا بقی شیٔ من احکام الاسلام وان
زال غلبۃ اھل الاسلام ذکر سید
ناصر الدین فی المنثور ان دار الاسلام
انما صارت دار الاسلام باجراء احکام
سلام فما بقی علقۃ من علایق الاسلام
یترجح دار الاسلام فصول عمادیہ مثلہ فی عالمگیریہ

ہوگا ٭

دوسری صورت مین اس ملک کے دار الاسلام یا دار الامان ہونا اور متبرک و مقدس مواضع چھوڑ کر اسکی طرف ہجرت کرنے پر دلیل یہ ہے کہ جناب رسالتمآب کے زمانہ مین ملک حبشہ عیسائی بادشاہ کے قبضہ و تسلط مین تھا اور دین اسلام کا وہان نام و نشان نہ تھا اور مکہ مکرمہ آپ کا اور سبھی مسلمانون کا مسکن اور قدیم سے متبرک و مقدس مکان تھا ۔ ولیکن انھین مسلمانون کو کفار بہت ستاتے تھے اور انکے دین مین بیجا مزاحمت کرتے ۔ اور بادشاہ حبشہ باوجود عیسائی ہونیکے کسی سے تعرض و ظلم کو پسند نہ کرتا انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس کا یہ حال معلوم ہوا تو آپ نے اپنے اصحاب کو فرمایا کہ حبشہ کا بادشاہ نیک آدمی ہے وہ کسی پر ظلم نہین کرتا اور نہ اس کے

قال اهل التفسير ائتمرت قريش ان يفتنوا المومنين عن دينهم فوثب كل قبيلة على من فيها من المسلمين يوذونهم ويعذبونهم فافتتن من افتتن وعصم الله منهم من شاء ومنع الله تعالى رسوله بعمه ابيطالب فلما راى رسول الله صلى الله عليه واله وسلم ما باصحابه ولم يقدر على منعهم ولم يومر بعد بالجهاد امرهم بالخروج الى ارض الحبشة وقال ان بها ملكا صالحا لا يظلم ولا يظلم عنده احد فاخرجوا اليه حتى يجعل الله للمسلمين فرجا واراد بها النجاشي و اسمه اصحمه وهو بالحبشة عطية

وانما النجاشی اسم الملک کقولہم قیصر
وکسری فخرج الیہا سرا احد عشر رجلا
واربع نسوة وہم عثمان بن عفان
وامرئتہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ
علیہ والہ وسلم وزبیر بن العوام
وعبد اللہ بن مسعود وعبد الرحمن
بن عوف وابو حذیفہ بن عتبہ و
امرئتہ سہلة بنت سہیل بن عمرو
ومصعب بن عمیر وابو سلمہ بن
عبد الاسد وامرئتہ ام سلمة بنت
ابی امیہ وعثمان بن مظعون وعامر
بن ربیعة وامرئتہ ام لیلی بنت ابی حثمة
وحاطب بن عمرو وسہیل بن
بیضاء فخرجوا الی البحر واخذوا
سفینة الی ارض الحبشة بنصف
دینار وذالک فی رجب فی سنة
الخامسة من مبعث رسول اللہ

ملک مین کوئی اور کسی پر ظلم کرتا ہے۔
تم وہان چلے جاؤ تو امید ہے امن و
خلاصی پاؤ گے۔ اس ارشاد نبوی کے
موافق گیارہ آدمی اعیان صحابہ نے
جن مین حضرت عثمان اور آپ کے حرم
محترم رقیہ لخت جگر رسول اللہ اور حضرت
زبیر و حضرت ابن مسعود و حضرت
عبد الرحمن بن عوف وغیرہ شامل تھے
حبشہ کیطرف ہجرت کی یہ پہلی ہجرت
حبشہ ہے۔ ان کے بعد حضرت جعفر
بن ابی طالب وغیرہ صحابہ مکہ چھوڑ کر
حبشہ مین پہنچے یہان تک کہ بیاسی
مسلمان اکابر وہان جمع ہوئے اور
تقریباً چودہ پندرہ سال وہان رہے
باوجودیکہ ان کی ہجرت سے نوین
سال آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم
مدینے پہنچ چکے تھے اور وہان اچھطرح

وھذہ الھجرۃ الاولی ثم خرج جعفر بن ابی طالب وتتابع المسلمون الیھا وکان جمیع من ھاجر الی الحبشۃ من المسلمین اثنین وثمانین رجلاً سوی النساء والصبیان ۔ (معالم التنزیل صـ۲۹ ) ومثلہ فی شرح القسطلانی جلد ۶ صـ۲۲۳ وبعض القصۃ فی صحیح البخاری صـ۵۴۵ و صـ۶۰ وفی شرح القسطلانی صـ۲۲۳ جلد ۶ ۔ وکتب لہ صلعم کتاباً یدعوہ فیہ الی الاسلام مع عمرو بن امیۃ سنۃ ست من الھجرۃ واسلم علی ید جعفر بن ابی طالب ۔

مستقل ہو کر بدر و احد کی لڑائیون مین کفار مکہ کو شکست دے کر مدینہ طیبہ کو کامل دار الاسلام بنا چکے تھے اور حبشہ اوسی طرح نصاریٰ کا ملک تھا ۔ کیونکہ ہجرت نبوی کے چھٹے سال آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجاشی شاہ حبشہ کو اسلام کی طرف بلایا اور اُسنے اسلام قبول کیا ۔ اسپر بھی وہ پانچ چھ سال اس ملک نصاریٰ مین رہے ہجرت نبوی کے چھٹے سال کے ختم پر ساتوین کے شروع مین مدینہ طیبہ مین پہنچے ؛

یہ حالات ہجرت کتب حدیث صحیح بخاری قسطلانی شرح بخاری وغیرہ اور تفاسیر معالم وغیرہ مین بتفصیل مذکور ہین ۔ اس اجمال سے جو ہمنے بیان کیا ہے صاف ثابت ہوتا ہے کہ جس شہر یا ملک مین (زیر حکومت مخالفین مذہب کیون نہو) مسلمان شعایر مذہبی آزادی سے ادا کرسکین وہ دار الحرب نہین ہے دار الاسلام ہے یا کم سے کم دار السلم

والامان مسلمانون کو مقدس اور متبرک بلاد سے (اگر وہان امن نہ پاوین) ہجرت کرکے اُن مین آرہنا جایز وضروری ہے انکو چھوڑکر مقدس شہرون مین (اگر وہان امن نہو) جارہنا واجب یا جائز نہین +

اسی نظر سے اکابر صحابہ حضرت ابن عمر و عائشہ صدیقہ نے فتح مکہ کے بعد جبکہ ہر جگہ امن قایم ہوگیا تھا ہجرت کو غیر ضروری کہا اور صاف فرما دیا تھا کہ ہجرت کا حکم اسوقت تھا جب کہ مسلمان اپنے دین کو بھگائے لئے پھرتے تھے۔ اس خوف سے کہ وہ دین کے سبب فتنہ مین مبتلا ہون گے۔ آج اسلام کو خدا نے غلبہ دیا ہے (یعنے کوئی کسی مسلمان کو اسلام کے سبب تکلیف نہین پہنچاتا) آج مومن جہان چاہے خدا کی عبادت کرے۔ قسطلانی نے شرح بخاری مین اس حدیث کے ذیل مین کہا ہے کہ امام ماوردی نے فرمایا ہے جب مسلمان کو کفار کے شہر مین اظہار

ان عبد اللہ بن عمر کان یقول لاہجرۃ بعد الفتح وحدثنی الاوزاعی عن عطاء بن ابی رباح قال زرت عائشہ مع عبید بن عمیر اللیثی فسالناہا عن الہجرۃ فقالت لاہجرۃ الیوم کان المؤمنون یفر احدہم بدینہ الی اللہ والی رسولہ مخافۃ ان یفتن علیہ فاما الیوم فقد اظہر اللہ الاسلام والیوم یعبد ربہ حیث شاء (بخاری صـ۵۵۵) قال القسطلانی فی شرح البخاری فقد اظہر اللہ الاسلام وفشت الشرایع والاحکام - یعبد ربہ حیث شاء فالحکم یدور مع

قال الماوردی اذا قدر علی اظہار لدین فی بلد من بلاد الکفر فقد صارت البلدة به دار الاسلام فالاقامة فیہا افضل من الرحلة لما یترجی من دخول غیرہ فی الاسلام"

دین پر قدرت ہو تو وہ شہر دار الاسلام ہو جاتا ہے اسمین رہنا اور بلاد اسلامیہ کیطرف ہجرت کرنے سے افضل ہے کیونکہ وہان رہنے مین اور لوگون کا اسلام مین داخل ہونا متوقع ہوتا ہے ◆

ان اقوال مین بھی ہمارے بیان کی تائید پائی جاتی ہے - فللہ الحمد

## مسئلہ سوم کے نتائج

(۱) اس مسئلہ اور اسکے دلایل سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ملک ہندوستان باوجودیکہ عیسائی سلطنت کے قبضہ مین ہے دار الاسلام ہے - اسپر کسی بادشاہ کو عرب کا ہو خواہ عجم کا مہدی سوڈان ہو یا خود حضرت سلطان شاہ ایران ہو خواہ امیر خراسان مذہبی لڑائی و چڑھائی کرنا جائز نہین ہے -

( ) اس زور و شور کی شہادت کتاب و سنت و اقوال علماء امت کے ساتھ اقوام غیر کا مسلمانون پر یہ گمان کہ وہ جب قابو پائینگے گورنمنٹ سے مقابلہ پر آمادہ ہونگے کمال درجہ کی سینہ زوری و افترا پردازی ہے مسلمانون مین جبتک قرآن و حدیث و فقہ کا عمل جاری رہے گا ان سے یہہ امر ہرگز سرزد نہوگا ◆

ہان کوئی ملکین کی طرح جنے عیسائی ہوکر اپنے ہم مذہب اور ہم قوم ملکہ پر

گولی چلائی تھی مسلوب الحواس ہو جائے اور دین اسلام کا پاس چھوڑ دے تو اُسکا کوئی ذمہ دار نہین ہے ۔

## چوتھا اور پانچوان مسئلہ

(۴) جن لوگون سے اسلام مین لڑائی اور مذہبی جہاد کرنے کا حکم آچکا ہے اُنسے بھی مسلمانون کو صلح کر لینے اور جب تک وہ مناسب سمجھین لڑائی موقوف کر دینے کی اجازت ہے ۔

(۵) اس عہد و صلح کے بعد عہد کو پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے اور مدت عہد مین اُن سے لڑنا اور در صورت خوف عہد شکنی جانب ثانی سے بلا فسخِ عہد و اعلانِ فسخ اُن پر حملہ کرنا حرام ہے ۔

**جواز عہد و مصالحت کی دلیل** خدا تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ اگر تیرے دشمن و مقاتل تجھ سے صلح کی درخواست کرین تو تو بھی صلح کی جانب مایل ہو ۔

وان جنحوا للسلم فاجنح لہا وتوکل علی اللہ ۔ (انفال ع ۸)

اس قول خداوندی کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا عمر بھر کا عمل رہا ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت سے کفار کے ساتھ غلبہ پا لینے کے بعد اور غلبہ سے پہلے صلح کی ہے اور مسلمانون کے اتفاق سے یہ مصالحت ثابت و جایز ہے ۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیبیہ کے سال کفار مکہ کے ساتھ صلح

کی۔ اور یہ بات قرار پائی کہ دس برس تک لڑائی بند رہے۔ اسمین لوگ امن پالین اور بغیر ہتیار لڑائی کا ڈہکا ہے نہ اسمین چھپی خیانت ہو نہ ظاہری دغا۔ اس صلح مین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ کی ایسی **سخت شرطین** مان لین جن مین ظاہر اسلام کی نہایت خفت تھی اور مسلمانون کی شکست۔ ازانجملہ یہ کہ اس سال مسلمان کعبہ کا حج نہ کرین اور ازانجملہ یہہ کہ کافرون مین سے کوئی مسلمان ہو کر آنحضرت صلعم کے پاس آتے تو اسکو آنحضرت صلعم واپس کرین مسلمانون سے کوئی مرتد ہو کر مکہ مین چلا جاوے تو کفار مکہ اسکو واپس نکرین اس شرط لکھنے کے اثنا مین ایک شخص (ابو جندل نامی) وکیل مشرکین مکہ کا بیٹا زنجیرون مین گھسٹتا ہوا آنحضرتؐ کے

عن المسور بن مخرمة ومروان بن الحکم انہم اصطلحوا علے وضع الحرب عشر سنین یامن فیہا الناس وعلے ان بیننا عیبة مکفوفة وانہ لا اسلال ولا اغلال۔ (ابوداؤد ص ۲ ج ۲) فقال النبی صلعم علی ان تخلوا بیننا وبین البیت فنطوف بہ فقال سہیل واللہ لا تتحدث العرب انا اخذنا ضغطة ولکن ذلک من العام المقبل فکتب فقال سہیل وعلے انہ لا یاتیک منا رجل وان کان علے دینک الا رددتہ الینا قال المسلمون سبحان اللہ یرد الی المشرکین وقد جاء مسلماً فبیناہم کذلک اذ دخل ابو جندل بن سہیل بن عمرو یرسف فی قیودہ وقد خرج من اسفل مکة حتی رمی بنفسہ بین

اظہر المسلمین فقال سہیل هذا یا محمد اول ما اقاضیك علیہ ان ترده الی فقال النبی صلعم انا لم نقض الکتاب بعد قال فواللہ اذن لا اصالحك علی شئ ابداً فقال النبی صلعم فاجزه لی فقال ما انا بمجیز ذالك قال بلی فافعل قال ما انا بفاعل قال مکرز بلی قد اجزناه لك قال ابو جندل ای معشر المسلمین ارد الی المشرکین وقد جئت مسلماً الا ترون ما قد لقیت وکان قد عذب عذاباً شدیداً الحدیث (بخاری صفحہ ۳۸۰)

وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما ظہر علی خیبر اراد اخراج الیہود منہا وکانت الارض حین ظہر علیہا للہ ولرسولہ وللمسلمین فاراد اخراج الیہود بہا فسالت الیہود رسول اللہ صلعم

پاس آپہنچا اور اس کے واپس کرنے پر حضرت عمر وغیرہ مسلمانوں نے بہت پیچ وتاب کھایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے بھی وکیل مشرکین سے اس شرط سے اس شخص کے مستثنے کرنے کو بہت چاہا آخر وکیل مشرکین کے نہ ماننے پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اسکو واپس کر دیا ۔

خیبر کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فتح کیا اور یہود کو اس میں سے نکالنا چاہا تو انہوں نے اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ ہم اسی جگہ رہیں گے اور پیداوار اراضی ت نصف آنحضرت ؐ کو دیتے رہیں گے آنحضرت ؐ نے اسکو قبول کیا اور یہہ فرما دیا کہ جب تک خدا نے چاہا رہنے

لیقرهم بها علی ان یکفوا عملها ولهم
نصف الثمر فقال لهم رسول الله ﷺ نقرکم
بها علی ذلك ما شئنا فقروا بها حتی
اجلاهم عمر الی تیماء واریحاء

(بخاری ص۳۱۵)

عن ابن عباس قال صالح رسول الله ﷺ
اهل نجران علی الفی حلة النصف فی صفر
والنصف فی رجب یؤدونها الی المسلمین
وعاریة ثلاثین درعاً وثلاثین فرسا
وثلاثین بعیراً وثلاثین من کل
صنف من اصناف السلاح یغزون
بها والمسلمون ضامنون لها حتی یردوها
علیهم ان کان بالیمن کید ذات غدر
علی ان لا تهدم لهم بیعة ولا یخرج لهم قس
ولا یفتنوا عن دینهم ما لم یحدثوا
حدثا او یاکلوا الربا قال اسمعیل
فقد اکلوا الربا (ابو داؤد ص۸۴ ج۲)

ہم کو مناسب نظر آیا اُنکو یہان رہنے
دین گے پھر وہ اسی شرط پر وہان
رہے یہان تک کہ خلافت عمری مین
وہان سے جلاوطن کئے گئے ۔

## نجران کے عیسائیون سے

آپ نے اس شرط پر **صلح** کی کہ وہ
سالانہ دو ہزار جوڑہ کپڑون کا بطور
خمس دیتے رہے اور تیس زرہ اور
تیس ۳۰ گھوڑے اور تیس ۳۰ اونٹ
اور تیس ۳۰ ہتھیار لڑائی کے لئے بطور
عاریت دیتے رہین جن کو مسلمان
بعد کار براری واپس کردین گے
**ان کے حق مین مفید** یہ
شرطین بھی ہوئین کہ ان کے
صوامع (چرچ) نہ گرائے جائین
اور نہ ان کے علماء نکالے جائین اور
نہ انکو دین سے کوئی روک ٹوک ہو

جبتک کہ وہ فحش باتین نہ نکالین اور سود* نہ لین۔

ان دلایل سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ جن کافرون سے جنگ و مقابلہ ہوا ان سے صلح کر لینی بھی جایز ہے (گو اس صلح مین بعض وجوہ سے مسلمانون کا نقصان ہو اور کافرون کا فایدہ) اگر مصلحت وقت اس صلح کی مقتضی ہو۔ اور عام نفع اہل اسلام اسمین متیقن ہو۔

**صلح و عہد کے بعد غدر نہ کرنے کے دلائل کتاب و سنت مین بکثرت** وارد ہین خدا کا یہ قول بضمن دلایل مسئلہ اول نقل ہو چکا ہے کہ جو لوگ تمہاری عہد والون سے جا ملین اُن کو نہ مارو اور خدا نے فرمایا ہے جنسے تم نے مسجد الحرام کے پاس عہد کیا ہے جبتک وہ عہد پر قایم رہین تم بھی قایم رہو اور فرمایا اگر تمہارے بھائی تم سے دین مین مدد چاہین تو ان کو مدد دو مگر اس قوم پر ان کو مدد نہ دو جس سے تم عہد کر چکے ہو اور فرمایا عہد کو پورا کرو

دیکھو صفحہ ( ۱۱ ) رسالہ ہذا

الا الذین عاهدتم عند المسجد الحرام فما استقاموا لكم فاستقيموا لهم ان الله يحب المتقين (براة ع ۲)

وان استنصروكم في الدين فعليكم النصر الا على قوم بينكم وبينهم ميثاق والله بما تعملون بصير (انفال ع ۱۰)

واوفوا بالعهد ان العهد كان مسئولا

---

* سود لینے کو اسلام نے انسانی اور ایمانی ہمدردی کے خلاف سمجھا ہے اسلئے ان پر اس شرط کو قایم کیا۔

(بنی اسرائیل ع ۵)

من لا یفی لذی عهد عهده فلیس منی ولست منه (رواه مسلم)

وقال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم من قتل معاهدا لم یجد رائحة الجنه وان ریحها لتوجد من مسیرة اربعین عاماً (رواه البخاری ص۴۴۸)

ان الغادر ینصب له لواء یوم القیامة فیقول هذه غدرة فلان بن فلان (مسلم ص۸۳ ج۲ بخاری ص۴۵۲)

وقال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم من قتل معاهدا فی غیر کنهه حرم الله علیه الجنة (رواه ابو داؤد ص۲۲ ج۲)

انی لا اخیس بالعهد (رواه ابو داؤد ص۲۲ ج۲) وقال عمر بن الخطاب رض واوصیه بذمه الله ورسوله ان یوفی لهم بعهدهم وان یقاتل من ورائهم

عہد سے سوال ہوگا۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے جو عہد والے کا عہد پورا نہ کرے گا وہ ہم میں سے نہیں ہے اور نہ میں اُسکے گروہ سے ہوں۔ اور فرمایا جو شخص عہد والے کو مار ڈالے گا وہ بہشت کی خوشبو نہ پائے گا باوجودیکہ چالیس برس کے فاصلہ سے اسکی خوشبو آتی ہے اور فرمایا عہد شکن کے لئے قیامت کے دن نشان کھڑا کیا جائے گا اور کہا جائے گا یہ فلان شخص کا غدر ہے۔ اور فرمایا جو عہد والے کو بلاجرم مارے اسپر بہشت حرام ہے۔

اور فرمایا میں عہد شکنی نہیں کرتا اسکے موافق حضرت فاروق نے اپنے جانشین کو وصیت فرمائی ہے کہ وہ عہد والوں کا عہد پورا کریں اور ان کی حمایت

(رشاد البخاری ص۴۹)

مین ان کے مخالفون* سے لڑین ۔

**جانب ثانی سے عہد شکنی کے خوف کے وقت بلا فسخ عہد و اعلان حملہ کرنے کی ممانعت کی دلیل یہ قول خداوندی** ہے کہ جب تجھے کسی قوم سے عہد شکنی کا خوف ہو تو فسخ عہد کا پیام برابری

واما تخافن من قوم خیانة فانبذ الیهم علی سواء
ان الله لا یحب الخائنین (انفال ع ۸)

پر اُن کو پہنچا دے خدا خیانت کرنے والون کو دوست نہین رکھتا۔

**ایسا ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے چنانچہ** سلیم بن عامر نے نقل کیا ہے کہ امیر معاویہ اور روم والون مین عہد مقرر تھا جب

عن سلیم بن عامر رجل من حمیر قال
کان بین معاویة وبین الروم عهد وکان
یسیر نحو بلادهم حتی اذا انقضی العهد

وہ گذرنے لگا امیر معاویہ نے اُنپر حملہ کا ارادہ کیا پس ایک شخص عربی یا ترکی گھوڑے پر سوار آیا اور بولا اللہ اکبر۔

---

* یہ حکم حضرت فاروق کا عام ہے ان مسلمان مخالفون کو بھی شامل ہے جو مسلمانون کے عہد والون سے لڑین - ان مسلمانون کی مدد سے مسلمانون کو نہی بالغ ہے جو بصفحہ (۳۰) منقول ہو چکی ہے (وان استنصروکم فی الدین) ہمارے اس نوٹ کو ڈاکٹر شبیر صاحب توجہ سے ملاحظہ فرماوین اور انصاف سے کہین کہ ہمین انکے اس سوال کا جواب جو انہون نے اپنی کتاب تنویر مسلمان کو تیر مواجب کے خاتمہ پر ایک حاشیہ مین علماء اسلام سے کیا ہے کافی اور گذشتہ کرحق مین مفید جواب ادا ہوا ہے یا نہین ؟

غزاهم فجاء رجل على فرس او برذون وهو يقول الله اكبر الله اكبر وفاء لا غدر فنظروا فاذا عمرو بن عبسة فارسل اليه معاوية فساله فقال سمعت رسول الله يقول من كان بينه وبين قوم عهد فلا يشد عقدة ولا يحلها حتى ينقضى امدها او ينبذ اليهم على سواء فرجع معاوية (رواه ابو داود ص۳۳ ج۲ والترمذی ص۲۴ ج۱)

وفا چاہیے نہ کہ غدر۔ امیر معاویہ نے دیکھا تو وہ عمرو عبسہ صحابی تھا امیر معاویہ نے ان کے آنے کا سبب پوچھا تو انہون نے فرمایا کہ مینے آنحضرت صلعم سے سُنا ہے کہ جسکا کسی قوم سے عہد ہو وہ اسکو فسخ نکرے جب تک مدت گذر نہ جائے یا برابر برابر فسخ عہد سے اسکو اطلاع دے جائے۔ یہ سنکر امیر معاویہ اس حملہ سے باز آئے اور وہان سے پھر گئے +

مسئلہ چہارم و پنجم کے نتایج مسئلہ ششم و ہفتم کے نتایج کے ساتھ بیان ہون گے +

## چھٹا و ساتوان مسئلہ

(۶) کافر (ظالم اور مذہب مسلمانون مین مزاحم لایق جہاد ہی کیون نہون) جب مسلمانون کے شہرون اور ملک پر تغلب سے تسلط پالیتے ہین تو ان شہرون کے مالک و متصرف ہوجاتے ہین +

(۷) جب کسی کافر کے ملک یا شہر مین کوئی مسلمان امن چاہکر رہے تو وہ اسی عہد والے کی مانند ہوجاتا ہے جسنے صریح عہد دیا ہو۔ اسکو اس کافر سے غدر

کرنا اور اس کے جان ومال سے تعرض کرنا ایسا ہی حرام ہے جیسا کہ صریح عہد والون کی جان ومال سے تعرض حرام ہے ۔

**غلبہ سے کافر کے مالک ہوجانے کی دلیل** یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے کافرون کے اُن تصرفات کو جو انہون نے آپ کے اموال پر متسلط ہو کر کئے نافذ فرمایا ۔ اور خود تسلط پاکر ان کو بے محل وبے اعتبار نہین ٹھہرایا ۔ صحیح بخاری مین حدیث ہے کہ آنحضرت صلعم سے اسامہ نے حج کے ایام مین پوچھا یا رسول اللہ آپ مکہ مین اپنے کس گھر مین اُتریں گے ۔ آپ نے جواب مین فرمایا عقیل نے ہمارا کوئی گھر چھوڑا ہے ؟ (یعنی سبھی گھرون پر تصرف کرلیا ہے) ۔

عن اسامة بن زيد انه قال يا رسول الله اين تنزل في دارك بمكة فقال هل ترك لنا عقيل من رباع او دور وكان عقيل ورث ابا طالب هو وطالب لم يرثه جعفر ولا علي شيئا لانهما كانا مسلمين وكان عقيل وطالب كافرين (بخاری ص۲۱٦)

**اس ملک وتصرف عقیل کی ایک** وجہ تو اسی حدیث مین بیان ہوئی ہے کہ ابوطالب کے وارث عقیل وطالب ہی ہوئی تھی نہ حضرت علی وجعفر کیونکہ وفات ابوطالب کے وقت عقیل وطالب کافر تھے ۔ اور حضرت جعفر اور حضرت علی مسلمان ہوچکے تھے مگر یہ وجہ بجز ملک وتصرف مکانات ابوطالب کے اور مکانات کے (جن مین آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکان بھی

شامل تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں عقیل انکا وارث نہیں ہو سکتا تھا ) ملک و تصرف کی دلیل نہیں ہو سکتی۔

لہذا یہ وجہ ملک و تصرف (جو اس حدیث میں بیان ہوئی ہے ) ابو طالب کے مکانات کے مالک ہو جانے سے مخصوص رہے گی اور آنحضرت کے مکان کے مالک و متصرف ہو جانے کی وجہ وہی کہنی پڑیگی جو ہم نے بیان کی ہے کہ عقیل کا غلبہ و تسلط اس مکان پر ہو گیا تھا جسکو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نافذ فرمایا قسطلانی نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا ہے یہ گھر (جسکا حدیث میں ذکر ہے ) آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد ہاشم کی تھی پھر انکے بیٹے عبد المطلب کو پہنچی انہوں نے اپنی اولاد میں تقسیم کر دیے پھر اپنے باپ عبد اللہ کا حق آنحضرت کو ملا اسی مکان میں آنحضرت صلعم تولد ہوئے تھے چنانچہ فاکہی نے بیان کیا ہے آنحضرت کا یہ کہنا کہ عقیل نے ہمارا کوئی گھر نہیں چھوڑا اس سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس گھر کے مالک تھے اور اپنی ذات شریف

قیل ان ہذہ الدار کانت لہاشم بن عبد مناف ثم صارت لابنہ عبد المطلب فقسمہا بین ولدہ فمن ثم صار للنبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم حق ابیہ عبد اللہ وفیہا ولد النبی صلعم قالہ الفاکہی - وظاہر قولہ وہل ترک لنا عقیل من رباع انہا کانت ملکہ فاضافہا الی نفسہ فیحتمل ان عقیلا تصرف فیہا کما فعل ابو سفیان بدور المہاجرین ویحتمل غیر ذلک

× × × × × وقال الداودی

وغیرہ کان کل من هاجر من المومنین
باع قریبه الکافر داره فامضی
النبی صلی الله علیه وسلم تصرفات
الجاهلیة تالیفاً لقلوب من اسلم
منهم۔ (قسطلانی ص۱۷۱ جلد ۳)

کیطرف اس گھر کو آپ نے منسوب
فرمایا ہے۔ پس عقیل کے مالک ہو جانے
کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ عقیل نے اس گھر
مین تصرف کر لیا ہو جیسا کہ ابوسفیان نے
اور مہاجرین کے گھروں پر تصرف کیا تھا

اور شاید اسکی وجہ کوئی اور بھی ہو۔

سائل کہتا ہے یہہ تردد قسطلانی کا ہمارے مدعا کو ضرر نہیں پہنچاتا۔ ہمارا مدعا یہہ ہے کہ عقیل کے ملک مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے گھر آجانے کی وجہ وراثت نہیں ہو سکتی۔ اسکی وجہ تغلب و تسلط ہے اسکو ساتھ اور بھی وجہ ہو تو مضایقہ نہیں۔ پھر قسطلانی نے کہا ہے کہ داؤدی وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ ہر ایک مہاجر کا مکان اسکے قرابتی نے بیچ دیا پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے تصرفات زمانہ جاہلیت کو تالیف قلوب نو مسلموں کے لئے نافذ فرمایا (یعنے اپنا دخل و تصرف پاکر بھی انکو فسخ نہیں کیا) وہ تصرفات ناجایز ہوتے تو ضرور آپ مکہ پر متسلط ہو کر جسکا مکان کسی نے جا کر فروخت کر دیا تھا وہ اسی کو دلواتے اور ظالم کے تصرف کو اٹھاتے۔

اس مسئلہ "تغلب کفار سے ثبوت ملک" مین مجتہدین کا اختلاف ہے۔ شافعی اور ایک جماعت قایل ہین کہ کفار صرف غلبہ سے مسلمانوں کے اموال کے

وقد اختلف اہل العلم فی ذالک فقال الشافعی وجماعۃ لایملک اہل الحرب بالغلبۃ شیئاً من المسلمین و لصاحب اخذہ قبل القسمۃ وبعدہا وعن علی والزہری وعمرو بن دینار والحسن لایرد اصلاً ویختص بہ اہل المغنم وقال عمرو بن سلمان بن ربیعۃ وعطاء واللیث ومالک واحمد و آخرون وہی روایۃ عن الحسن ایضاً ونقلہا ابن ابی الزناد عن ابیہ عن الفقہاء السبعۃ ان وجدہ صاحبہ قبل القسمۃ فہو احق بہ وان وجدہ بعد القسمۃ فلا یاخذہ الا بالقیمۃ (نیل الاوطار ط۱۹ ج۷)

مالک نہیں ہوتے لہذا جو مال مسلمانوں کا کافروں کے ہاتھ میں چلا جائے وہ مسلمانوں کے فتحیاب ہونے پر انہی مسلمانوں کو ملے گا جن کا مال تھا حضرت علی و زہری و عمرو بن دینار و حسن بصری کہتے ہیں کہ وہ کافروں کا مال ہو چکا تھا مسلمانوں کے ہاتھ آئے گا تو ان سب کا ہوگا جنہوں نے کافروں کو لوٹا ۔ عمرو بن سلمان ابن ربیعہ عطا ولیث و امام مالک و امام احمد وغیرہ کا یہ قول ہے کہ وہ مال مسلمانوں میں تقسیم ہو چکا ہو تو اصل مالک کو بقیمت ملیگا تقسیم سے پہلے بلا قیمت بھی وہ لینے کا حقدار ہے اس مذہب سے بھی یہی بات ہوتی ہے کہ وہ مال کفار کے ملک میں آچکا تھا ۔

کتاب ہدایہ میں (جو حنفی مذہب میں ایک مشہور و معتبر کتاب ہے) کہا ہے کہ کفار ہمارے اموال پر غلبہ پائیں تو ان کے مالک ہو جاتے ہیں بشرطیکہ وہ ان کو اپنی جگہ

واذا غلبوا علی اموالنا والعیاذ باللہ واحرزوها بدارهم ملکوها وقال الشافعی لا یملکونها لان الاستیلاء محظور ابتداءً وانتهاءً والمحظور لا ینتهض سبباً للملك علی ما عرف من قاعدة الخصم ولنا ان الاستیلاء ورد علی مال مباح فینعقد سبباً للملك دفعاً لحاجة المکلف کاستیلائنا علی اموالهم وهذا لان العصمة تثبت علی منافاة الدلیل ضرورة تمکن المالك من الانتفاع فاذا زالت المکنة عاد مباحاً کما کان غیر ان الاستیلاء لا یتحقق الا بالاحراز بالدار لانه عبارة عن الاقتدار علی المحل حالاً ومآلاً والمحظور لغیره اذا صلح سبباً لکرامة تفوق الملك وهو الثواب الآجل فما ظنك بالملك العاجل

تسلط میں لیجائیں ۔ امام شافعی اس مسئلہ کے مخالف ہیں وہ کہتے ہیں کفار کا تغلب ہی ناجائز ہے تو وہ ملک کا سبب کیونکر ہو سکتا ہے حنفیہ کی طرف سے اسکا جواب یہہ ہے کہ تغلب کفار بر اموال مسلمین پر گو ناجائز ہے مگر اس حالت میں اور اسوقت تک کہ مسلمانوں کا اسپر تسلط و قبضہ ہو اور جب وہ تسلط اٹھ گیا تو کافرون کا تسلط ان اموال پر جائز ہوگیا اور وہ مال مباح پر تسلط ٹہرا وہ کہتے ہیں دراصل ہر چیز سے ہر شخص نفع اٹھانیکا مستحق ہے چنانچہ قرآن میں فرمایا ہے "خدا نے تم سب کے لئے جو کچھ زمین میں ہے پیدا کیا ہے" پھر خاص خاص چیزوں سے خاص خاص لوگوں کو نفع اٹھانیکے لئے خداتعالے نے قبضہ و تسلط کو سبب بنا دیا ہے اور یہ حکم دے دیا ہے کہ

(ہدایہ ص۵٦١ جلد١)

جنکی چیز ہو یعنے جسکے قبضہ و تسلط مین ہو وہی اس سے نفع اٹھاوے اور جب یہ قبضہ و تسلط اٹھ گیا تو وہ مال سب کے لئے مباح ہو گیا۔ پھر اسپر تغلب و تسلط مال مباح پر تسلط ہوگا اور وہ ملک کا سبب ہو سکے گا۔ جیسا کہ ہمارا تسلط ان کے اموال پر مال مباح پر تسلط اور ملک کا سبب ہوتا ہے۔

امام شافعی کے مذہب کی تائید مین بعض علما یہہ حدیث پیش کرتے ہین جو صحیح مسلم مین بصفحہ ۴۵ جلد ۲ منقول ہے کہ ایک عورت کفار کی قید مین آگئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی اونٹنی عضباء نامے بھی ان کو قابو مین آئی۔ وہ عورت ان کی قید مین تھی اور وہ لوگ اپنے اونٹوں کو اپنے ڈیروں* کے سامنے رات کو لے آتے اور

عن عمران ابن حصین قال واسرت امرءة من الانصار واصیبت العضباء فكانت المرءة فی الوثاق وكان القوم یریحون نعمهم بین یدی بیوتهم فانفلتت ذات لیلة من الوثاق فاتت الابل فجعلت اذا دنت من البعیر رغا فتتركه حتی تنتهی الی العضباء فلم ترغ قال وهی

---

* طحاوی کی روایت مین ہے چنانچہ فتح القدیر حاشیہ ہدایہ مین منقول ہے وکانوا اذا نزلوا یریحون ابلهم فی افنیتهم۔ یعنے وہ اس سفر مین منزل پر اترتے تو اونٹوں کو اپنے آگے کے میدانوں مین لے آتے اسلئے ہمنے بیوت کا ترجمہ ڈیرہ سے کیا ہے۔ وہاں سفر مین بنے ہوئے گھر نہ تھے وہی کپڑے کمبل وغیرہ کے ڈیرے تھے۔

منوقة فقعدت فی عجزها فانطلقت ونذروا بها فطلبوها فاعجزتهم قال ونذرت لله عز وجل ان نجاها الله علیها لتنحرنها فلما قدمت المدینة راٰها الناس فقالوا العضباء ناقة رسول الله صلعم فقالت انها نذرت ان نجاها الله علیها لتنحرنها فاتوا رسول الله صلعم فذکروا ذالک له فقال سبحان الله بئس ماجزتها نذرت الله ان نجاها علیها لتنحرنها لا وفاء لنذر فی معصیة ولا فیما لایملک العبد وفی روایة ابن حجر لا نذر فی معصیة الله (صحیح مسلم ص۲۵ جلد۲)

ٹھیرایا کرتے ایک شب وہ عورت قید سے چھوٹ گئی اور وہ اُن اونٹون مین پہنچی وہ جس اونٹ کے پاس جاتی وہ آواز کرتا۔ لہذا وہ اُسکو چھوڑ دیتی یہانتک کہ عضباء اونٹنی کے پاس پہنچے تو وہ نہ بولے کیونکہ وہ سواری مین لگی ہوئی اور فرمان بردار تھی۔ وہ اسپر سوار ہوکر چل پڑی۔ کفار کو علم ہوا تو وہ پیچھے دوڑے مگر اسکو پکڑ نہ سکے اسوقت اسنے یہ منت مانی کہ خدا نے اسکو کفار سے بچا لیا تو وہ اوس اونٹنی کو خدا کے نام پر ذبح کرے گی۔ انحضرت صلعم نے یہ بات سنی تو فرمایا کہ اُسنے برا کیا جو اسکو بدلہ دیا۔ گناہ کی منت کا وفا واجب نہین۔ اور نہ اس چیز کی منت کا جسکا بندہ مالک نہو۔ اس حدیث سے استدلال کی وجہ وہ یہہ بیان کرتے ہین کہ اس اونٹنی کی نسبت اس حدیث کا آخری فقرہ فرمایا گیا ہے وہ اونٹنی تغلب سے کفار کی ملک آجاتی تو وہ عورت بھی اسکی مالک ہوجاتی اس صورت مین انحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس عورت کو یہہ نفرماتے کہ جس چیز کا کوئی مالک نہو

اسکی منت کا وفا اسپر واجب نہیں۔

اسکا جواب **عینی** حنفی نے بنایہ شرح ہدایہ مین یہہ دیا ہے کہ وہ لوگ ہنوز اوس اونٹنی کو اپنے ملک مین لیجا نہ چکے تھے راستہ ہی مین وہ اس عورت کے ہاتھ آگئی تھی۔

قلت ما کانوا احرزوها بدارهم واخذ المرأة العضباء کان قبله فی الطریق وقبل الاحراز لا یثبت الملك ودلیلنا من القران قوله تعالی للفقراء المهاجرین فالله تعالی سماهم فقراء والفقیر من لا یملك فلو لم یملك الکفار اموالهم لما سموا فقراء (عینی شرح هدایه ص۸۲ جلد ۳)

اور کہا ہے تغلب سے کفار کی ملک تب ثابت ہوتی ہے جب وہ مسلمانون کے مال کو اپنے ملک لیجائے وتسلط مین لیجائین۔ پہر کہا ہے ہماری (حنفیہ کے) دلیل قران مین یہ قول خداوندی ہے جسمین خدا نے فقراء مہاجرین کو صدقہ کا مصرف ٹھہرایا ہے اس قول مین خدا نے ان کو فقیر کہا ہے اور فقیر وہی کہلاتا ہے جسکے ملک مین کچھ نہو اور اگر کفار مکہ وغیرہ مہاجرین کے پس ماندہ اموال کے مالک نہوجاتے تو خدا ان کو فقیر نہ کہتا۔

ایسا ہی **شیخ ابن الہمام** نے **فتح القدیر** حاشیہ ہدایہ مین استدلال آیت قران

ولیس من لا یملك مالا وهو فی مکان لا یصل الیه فقیرا بل هو مخصوص بابن السبیل - ولهذا اعطوا علیه فی

کی تائید مین کہا ہے کہ جو شخص صرف کسی خاص مکان مین ہونے کے سبب اپنے مال کا مالک اور اسپر قابض ومتصرف

> نص الصدقه (فتح القدیر ص۲۶۴ ج۲)

نہ ہو اسکو فقیر نہیں کہا جاتا ایسا شخص ابن السبیل کے نام سے مخصوص ہے ۔

اور جواب حدیث عضباء کی تائید میں کہا ہے کہ اس روایت طحاوی میں یہ قول راوی شاہد ہے کہ وہ جب منزل پر اُترتے تو اونٹون کو سامنے کے میدان مین لے آتے جس سے سمجھ مین آتا ہے کہ وہ ہنوز راستہ مین تھی کہ وہ عورت اس اونٹنی کو لے بھاگی ۔

> وحدیث العضباء کان قبل احرازهم بدارهم الی تری الی قوله کانوا اذا نزلوا الخ فانه نفهم منه انها فعلت ذالک وهم فی الطریق (فتح القدیر ص۲۶۸ ج۲)

مؤلف کہتا ہے ۔ جو لوگ ان علماء کی اثبات کو غلط کہین وہ اس سے بڑھکر صریح روایت سے ثابت کرین کہ وہ لوگ اونٹنی کو اپنے ملک دار الحرب مین لیجا چکے تھے اور جہان وہ رات کو اونٹ بٹھاتے تھے وہ ان کے وطنی اور سکونتی مکانات کے صحن تھے ۔

ایک جواب اس حدیث کا یہ بھی ممکن ہے کہ یہ حدیث نفی ملک متغلب و متسلط پر نص یا اشارہ نہیں ہے ۔ اس حدیث مین جو فرمایا گیا ہے کہ جس چیز کا بندہ مالک نہو اسکی منت کا وفا اُسپر واجب نہیں ہے اس کا اس امر پر نص یا اشارہ ہونا متعین نہیں ہے کہ یہ اس عورت کے حق مین کہا گیا ہے ۔ اور اس سے یہ مقصود ہے کہ وہ عورت اوس اونٹنی کے تغلب سے مالک نہیں ہوئی اسلئے اسپر اس ذبح کرنے کی منت کا ایفا واجب نہیں جائز و محتمل ہے کہ یہ

ایک جداگانہ حکم متعلق نذر بیان کیا گیا ہو۔ اس عورت کی نسبت اور اس کے حق مین وہی پہلا حکم ہو کہ گناہ کی منت کا وفا واجب نہیں ہے۔ اور اس سے یہ مقصود ہو کہ تیرا فعل معصیت ہے لہذا تجہ پر اسکا ایفا واجب نہیں ہے۔ اس فعل کا معصیت ہونا آپ کے اس لفظ سے بھی ثابت ہوتا ہے جو اس سے پہلے فرمایا ہے کہ اسنے یہ برا کام کیا جو اسکو بدلہ دیا۔ اور اگر اس قول نبی کو جسمین ملک غیر مین وفا نذر کا واجب نہونا فرمایا گیا ہے اسی عورت کے حق مین مخصوص کیا جائے تو اسکی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ بوقت نذر اس عورت کا پورا تغلب و تسلط نہوا تھا۔ اسوقت تک ممکن تھا کہ اوس اونٹنی کو اسکے مالک کفار (جو اسکے پکڑنے کو دوڑے تھے) اسکو چھین کر لیجاتے (گو اسکے بعد یہ امکان دور ہوا جب وہ تھک کر واپس ہوئے) اور یہہ بھی ممکن تھا کہ آنحضرت صلعم اس اونٹنی کو نہ اپنے ملک سابق کے لحاظ سے بلکہ اموال غنیمت مسلمانون سے حق اصطفا کی نظر سے خود لے لیتے (چنانچہ ایسا ہی ہوا) اور احتمال ہے کہ اسی حق اصطفا کی نظر سے اپنے اوس اونٹنی کو لے لیا ہو* پھر وہ باوجود قیام ان احتمالات کے اس عورت سے کیون اس اونٹنی کو اپنے ملک سمجھ لیا اور اسکا ذبح کرنا مان لیا۔ علماء شافعیہ اور جو ان کے ہم خیال ہون اس حدیث سے ان احتمالات کو اٹھا لین تب اس حدیث سے تمسک کا نام لین۔

اس بیان سے ثابت ہوا کہ امام ابو حنیفہ رح و امام مالک رح و امام احمد رح کا مذہب کہ

---

* قد کان للنبی صلعم من الغنائم ثلث حظوظ خمس الخمس وصفی یصطفیہ لنفسہ من درع او سیف او جاریۃ وسہم کسہم احدہم (فتاوی حمادیہ ص ۲۶۳)

کافر تغلب سے اموال مسلمین کے مالک ہوجاتے ہین" صحیح ہے اور آیات قرآن اور حدیث صحیح بخاری اس مذہب کے موید ہین اور اسکا خلاف تغلب سے انکا مالک نہونا جوان چارون اماموں سے صرف شافعی کا مذہب ہے اسپر کوئی صریح دلیل نہین ہے۔ اور نہ اس مذہب پر چلنے والا ہندوستان مین کوئی نظر آتا ہے۔ بالجملہ ساکنین ہندوستان کے مذہب مین کافر تغلب سے مالک ہوجاتا ہے اور ہمارے مسئلہ ششم مین ہندوستان کے اہل مذاہب کو نزاع کا محل نہین ہے ۔

کافرون کے ملک اور شہر مین امن جتا کر غدر نہ کرنے کے حرام ہونے پر دلیل یہہ صریح حدیث صحیح بخاری وغیرہ کی ہے کہ مغیرہ بن شعبہ صحابی اپنی حالت کفر مین ہم مذہب قوم کے ساتھ ہوکر مصر مین گیا۔ وہان کے بادشاہ مقوقس نے اون لوگون سے احسان کیا اور مغیرہ کے احسان واکرام مین قصور کیا۔ اس سے مغیرہ کو رشک پیدا ہوا کیونکہ وہ ان کا ہم قوم نہ تھا لہذا جب وہ واپس ہوکر راستہ مین شراب پی کر مخمور ہوئے اور سوگئے تو مغیرہ نے اس حالت نشہ اور نیند مین اُن سے

> كان المغيرة بن شعبة صحب قوماً في الجاهلية فقتلهم واخذ اموالهم ثم جاء فاسلم فقال النبي صلے الله عليه وآله وسلم اما الاسلام فاقبل واما المال فلست منه في شئ (رواه البخاري ص۳۷۹ وفي رواية ابي داؤد ص۲۵ جلد ۲) واما المال فانه مال غدر لا حاجة لنا فيه ـ ق كان المغيرة قبل سلا

صحب قوماً فی الجاهلیة من ثقیف من بنی مالک لما خرجوا زایرین المقوقس بمصر فاحسن الیهم وقصر بالمغیرة فحصلت له الغیرة منهم لانه لیس من القوم فلما کانوا بالطریق شربوا الخمر فلما سکروا وناموا غدرهم فقتلهم جمیعاً واخذ اموالهم فلما بلغ ثقیفاً فعل المغیرة تداعوا للقتال فسعی عروة عم المغیرة حتی اخذوا منهم دیة ثلاثة عشر نفساً واصطلحوا فهذا هو سبب قوله ای غدر ثم جاء لی المدینة فاسلم فقال له ابو بکر ما فعل المالکیون الذین کانوا معک قال قتلهم وجئت باسلابهم الی رسول الله صلی الله علیه وسلم لتخمس اویری فیها رایه فقال النبی صلی الله علیه وآله وسلم اما الاسلام

غدر کیا۔ ان کو قتل کر ڈالا۔ اور اُن کا مال لوٹ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام کا اظہار کیا۔ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تیرے اسلام کو تو ہم نے قبول کیا پر اس مال سے ہم کو کچھ تعلق و حاجت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ غدر کا مال ہے قسطلانی نے مال غدر ہونے کی وجہ یہہ بیان کی ہے کہ مال مشرکین (یعنے جو لڑائی کے لایق ہوں) اگرچہ تغلب و تسلط اہل اسلام کے وقت مال غنیمت کہلاتا ہے (جو حلال ہے) پر امن کی حالت میں اس مال کا ان سے جبراً لے لینا حلال نہیں ہے۔ اور جب انسان کسی کے ساتھ ہو کر چلتا ہے تو اپنے ساتھی کو یہ جتاتا ہے کہ

فاقبل ای اقبل واما المال فلست منه
فی شیء ای لا اتعرض له لکون اخذه
غدرا لان مال المشرکین وان کانت
مغنومة عند القہر فلا یحل اخذھا
عند الامن فاذا کان الانسان
مصاحبا لہم فقد امن کل واحد
منہما صاحبه فسفك الدماء واخذ
الاموال عند ذلك غدر والغدر
بالکفار وغیرھم محظور انتہی مختصرا
(قسطلانی ص۳۵ جلد۵)

مین تیرے جان و مال سے تعرض نہین کرون گا - اور مین نے تجھے امن و عہد دیا اس کے بعد اس کا خون بہانا اور مال لوٹ لینا غدر ہے اور غدر کافرون کے ساتھ کیون نہو حرام ہے ۔

اس حدیث مین جب صرف ملکر راستہ چلنے کو حکماً و معنیً امن و عہد ٹھہرا لیا اور اس امن و عہد کے خلاف کو غدر قرار دیا ہے تو عین ملک و بلاد کفار مین جو ابتداء سے ان کے ملک ہون یا تغلب سے ان کے تسلط مین ہون امن جتا کر رہنا اور اسمین امن و آزادی کے ساتھ عمر بسر کرنا کیونکر امن و عہد نہو گا اور اسکا خلاف کیون نہ غدر قرار پائے گا ۔

## مسئلہ چہارم و پنجم و ششم و ہفتم کے نتائج

ان مسائل اربعہ اور ان کے دلائل کے نتائج بیان کرنے سے پہلے دو امر واقعی نفس الامری کا بیان ضروری ہے

امر اول یہ کہ ملک ہندوستان پر برٹش گورنمنٹ کا پورا قبضہ و تسلط ہے۔ کوئی ذی شوکت سلطنت اس قبضہ و تسلط کی مزاحم نہین ہے۔

امر دوم یہ کہ مسلمان جو ہندوستان مین اقامت گزین ہین تین قسم مین منقسم ہین ۔

قسم اول اسلامی ریاستون کے رئیس با اختیار (جیسے رئیس ٹونک۔ رئیس رامپور رئیس بھوپال۔ رئیس حیدرآباد۔ وغیرہ)

دوم اُن رئیسون کی ماتحت رعایا۔

قسم سوم خاص برٹش گورنمنٹ کی رعایا جو کسی اسلامی ریاست کے ماتحت نہین۔

ان تینون اقسام سے ہر ایک قسم کا برٹش گورنمنٹ سے دوستی و ترک مقابلہ و لڑائی کا عہد ہو چکا ہے۔

قسم اول نے تو گورنمنٹ سے صریح لفظی اور حقیقی عہد لکھدیا ہے کہ وہ گورنمنٹ سے کبھی مخالفت نکرین گے اور ہمیشہ اس کے مددگار رہین گے اور ایسا ہی اسوقت تک وہ کرتے رہے ہین قسم دوم کا عہد ان کے رئیسون کے عہد مین داخل و شامل ہے۔ یہ امر اس حدیث بخاری سے ثابت ہوتا ہے جس مین یہہ ارشاد ہے کہ سبھی مسلمانون کا ذمہ ایک ہوتا ہے ادنے شخص کسی سے عہد کرلے اور لڑنے مارنے سے امان دے تو اوروں کو اس عہد کا پورا کرنا لازم ہو جاتا ہے

باب ذمة المسلمین وجوارهم واحدة
یسعی بها ادناهم الخ (صحیح بخاری صفحہ ۴۵)

پس چہ جاے کہ اعلی طبقہ قوم کے رئیسون اور سردارون نے کسی کو عہد و امن دیدیا ہو **قسم ثالث** سے **بعض اشخاص** کا تو صریح لفظی و حقیقی عہد ہو چکا ہے یہ وہ لوگ ہین جو تحریراً و تقریراً حاضر و غائب خیر خواہی و وفاداری گورنمنٹ کا دم بھرتے ہین اور ان کی خدمت و صداقت مین سرگرم ہین **ان ہی** لوگون مین **پنجاب کے اہلحدیث** داخل ہین۔ جنہون سر ہنری ڈیوس صاحب بہادر کے عہد لفٹنٹ گورنری مین بذریعہ ایک عرضداشت کے اس عہد کا اظہار کیا تھا جسپر [illegible] مین پنجاب گورنمنٹ سے ایک سرکلر بھی ان کی تصدیق و تائید مین مشتہر ہوا تھا۔ اور **باقی تمام** مسلمانون کا جنہون نے کبھی کچھ قلم یا مونہہ سے عہد نہین کیا معنوی و حکمی عہد ہو چکا ہے اس عہد (حکمی و معنوی) سے کوئی شخص سکان ہندوستان سے خالی نہین ہے۔ کیونکہ وہ سالہا سال سے امن پاکر گورنمنٹ کی رعایا کہلا کر امن و آزادی سے زیر حکومت گورنمنٹ اوقات بسر کر رہے ہین نہ برملا مقابلہ و مخالفت کے وہ مدعی ہین اور نہ جاسوس بنکر دار الحرب کے رہنے والون کی طرح خفیہ سکونت رکھتے ہین۔ بلکہ مغیرہ بن شعبہ سے (جسکا حال بصفحہ (۴۴) بیان ہوا ہے) بڑھکر اپنی زبان حال سے عہد و امن کا اظہار کر رہے ہین۔ امور واقعیہ کا بیان تمام ہوا۔ اب اصل نتائج کو بیان کیا جاتا ہے۔

ان مسائل (نمبر ۴ و ۵ و ۶ و ۷) سے اور ان کے دلائل سے بلحاظ ان دو امور واقعیہ کے صاف اور یقینی طور پر ایک یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانان ہندوستان کے

تینون قسم کا (جب تک کہ وہ اپنے عہدون پر (لفظی وحقیقی ہون خواہ معنوی و عملی اصلی ہون خواہ ضمنی ) قایم ہین اور اس گورنمنٹ کے ماتحت رہین - اور ان عہدون کو علانیہ طور پر اٹھا کر یا حکومت گورنمنٹ سے باہر جا کر اپنے ارادہ مخالفت سے برملا گورنمنٹ کو اطلاع نہ دین اس گورنمنٹ سے لڑنا یا اُن سے لڑنے والون کی (ان کے بھائی مسلمان کیون نہون ) کسی نوع سے مدد کرنا صریح غدر اور حرام ہے ۔

اس نتیجہ کو ناواقف اہل اسلام ملاحظہ فرما کر پیش نظر رکھین اور صرف کفر کی نظر سے ہر ایک مخالف مذہب سے جنگ ومقابلہ کرنے کو شرعی جہاد نہ سمجھ لیا کرین ۔ عہد وامن والون سے لڑنا ہرگز شرعی جہاد (ملکی ہو خواہ مذہبی ) نہیں ہو سکتا ہے بلکہ عناد وفساد کہلاتا ہے مفسدہ ۱۸۵۷ء مین جو مسلمان شریک ہوئے تھے وہ سخت گناہگار اور بحکم قرآن وحدیث وہ مفسد وباغی بدکردار تھے ۔ اکثر ان مین عوام کالانعام تھے بعض جو خواص وعلماء کہلاتے تھے وہ بھی اصل علوم دین (قرآن وحدیث ) سے بے بہرہ تھے یا نافہم وبے سمجھ - باخبر وسمجھدار علماء اس مین ہرگز شریک نہین ہوئے اور نہ اس فتوی پر جو اس غدر کو جہاد بنانے کے لئے مفسد لئے پھرتے تھے انہون نے خوشی سے دستخط کئے ۔ اسکی تفصیل ہم اشاعۃ السنۃ نمبر ۱ جلد ۹ مین کر چکے ہین - یہی وجہ تھی کہ مولوی اسمعیلؒ دھلوی جو حدیث وقرآن سے باخبر اور اس کے پابند تھے اپنے ملک ہندوستان مین

انگریزون سے (جنکے امن و عہد مین رہتے تھے) انہین لڑے اور نہ اس ملک کی ریاستون سے لڑے ہین۔ اس ملک سے باہر ہوکر قوم سکھون سے (جو مسلمانون کے مذہب مین دست اندازی کرتے تھے کیوا ونچے اذان نہین کہنے دیتے تھے) لڑے۔ اسکی تفصیل بھی آنریبل سید احمد خان صاحب سی۔ ایس۔ آئی کے رسالہ جواب ڈاکٹر ہنٹر سے اشاعۃ السنۃ نمبر (۱) جلد (۱۰) مین گذر چکی ہے۔

دوسرا نتیجہ ان مسایل اور ان کے دلایل سے یہ پیدا ہوتا ہے کہ بعد علم ان مسایل کے کہ "مذہب اسلام مین اہل حرب کفار سے بھی دوستی و عہد جائز ہے اور عہد والون سے لڑنا حرام ہے اور جس ملک پر کفار مستلط ہوجائین اسکے وہ مالک ہوجاتے ہین اور کافرون کے ملک مین باامن رہکر یا امن چاہکر ان سے لڑنا اور غدر کرنا حرام ہے" بعض خیرخواہان گورنمنٹ کا مسلمانون پر یہ گمان کہ وہ جب کبھی قابو پائین گے گورنمنٹ پر تلوار چلائین گے اور جو ان مین مذہب کے پکے اور دعوے اسلام مین سچے ہین وہ اس کام مین سب سے پیش قدم نکلین گے محض بہتان ہے۔ اس گمان کے مرتکب مدعیان خیرخواہی سلطنت ان مسایل سے ناواقفی کے سبب یہ گمان رکھتے ہین تو اب وہ ان مسایل کو پڑھکر اس بدگمانی سے باز آئین۔ اگر وہ دیدہ و دانستہ ان پر یہ تہمت لگاتے ہین تو اس مین وہ اسقدر غور کرین کہ اس بدگمانی مین نہ صرف رعایا اہل اسلام کا ضرر ہے۔ بلکہ اسکا اثر و ضرر سلطنت کو بھی پہنچتا ہے۔ سلطنت کو رعایا سے

بدگمانی رہیگی تو وہ کب محل اعتماد اور مورد خاص عنایت سلطنت ہون گے۔ اور کیونکر کشادہ دلی اور جوش سے اپنا فرض اطاعت و اعانت سلطنت کو ادا کرینگے اور سلطنت کے پاؤن بھی بے خدشہ و بے کھٹک کب جمین گے۔ کیا اچھا کہا گیا ہے ؎

رعیت چو بیخ ست سلطان درخت    درخت اے پسر باشد از بیخ سخت

ایسا ہی ایک اور شعر ہے ؎

مراعات دہقان کن از بہر خویش    کہ مزدور خوشدل کند کار بیش

خیر خواہان ملک و سلطنت اب بھی اس بدگمانی کو دماغ سے نکال ڈالین۔ اور رعایا و سلطنت کو باہم شیر و شکر ہو کر ملک مین امن قایم کرنے دین ۔

## مسئلہ ہشتم و نہم و دہم

(۸) کافر مسلمانون کے مذہب مین مزاحم بھی ہون۔ اور ان کا ملک دار حرب بھی ہو۔ اور ان سے کسی مسلمان رئیس یا رعایا کی دوستی و عہد بھی نہو۔ اور ان کے ملک وامن مین مسلمان رہتے نہ ہون۔ تو ان شرطون اور صورتون مین بھی اُن سے جہاد تب ہی واجب و جایز ہے۔ کہ مسلمانون مین ایسی جمعیت حاصل و جماعت موجود ہو جسمین انکو کسر شوکت اسلام کا خوف نہو۔ فتح و غلبہ اسلام کا ظن غالب ہو ۔

(۹) ان ہی شرطون اور صورتون مین ایک بڑی بھاری شرط شرعی جہاد کی یہ ہے کہ مسلمانون مین امام و خلیفہ وقت موجود ہو +

(۱۰) مسلمانون پر ایسی بھی مجبوری کی حالت جائز اور ممکن الوقوع ہے کہ نہ انکی کوئی جماعت ہو نہ ان کا کوئی امام ومعہذا وہ گناہگار نہون - اور تارک فرض قرار دیائین **شرع محمدیت** قابل طمانیت **دلیل** خدا تعالی کا یہ قول ہے کہ خدا تعالی نے ایک کا ہزار سے مقابلہ کرنا تمکو معاف کر دیا ہے - اب اگر تم مین ایک سو صابر اشخاص ہون تو وہ دو سو کفار سے غالب آسکتے ہین" یعنے ایک سو دو سو کا مقابلہ کرے - اور یہ قول خداوندی کہ لڑنے والون کے لئے جہانتک طاقت رکھو تیر اندازی اور گھوڑے بہم پہنچاؤ جس سے تم اپنے اور خدا کے دشمن کو ڈراؤ "

الآن خفف الله عنكم وعلم ان فيكم ضعفا فان يكن منكم مائة صابرة يغلبوا مائتين وان يكن منكم الف يغلبوا الفين باذن الله والله مع الصابرين (انفال ع۹)

واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم (انفال ع۹)

**فتاوی عالمگیری** مین جو حنفی مذہب مین ایک مشہور و معتبر فتاوی ہے لکھا ہے جواز عہد کے لئے دو شرطین ہین ایک یہہ کہ دشمن اطاعت قبول نکرے - اور وہ مسلمانون کے عہد و امان مین بھی نہو - دوسری شرط یہ

اما شرط اباحتہ فشيئان احدهما امتناع العدو عن قبول ما دعي اليه

من الدین وعدم الامان والعہد بیننا وبینہم - والثانی ان یرجو الشوکة والقوة لاهل الاسلام باجتہاده او باجتہاد من یعتقد فی اجتہاده ورایہ وان کان لا یرجو القوة والشوکة للمسلمین فی القتال فانہ لا یحل لہ القتال لما فیہ من القاء نفسہ فی التہلکة - کذا فی محیط السرخسی

(فتاوی عالمگیری)

ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکة -

(بقرہ ع ۲۳)

ہے کہ مسلمانون کو اپنے غالب وفتحیاب ہونے کی امید ہو - اور اگر مسلمانون کو اپنی قوت اور شوکت کی امید نہ ہو تو پھر ان کو لڑنا اپنی جان کو ہلاکت مین ڈالنا ہے (یعنی جسکی نسبت قرآن مین یہ حکم ہے کہ "اپنی جانون کو ہلاکت مین نہ ڈالو") ایسا ہی سرخسی کے محیط مین ہے -

والشرط فی ذلک ان یکون القایمون بہ من اہل الغناء والدفاع لان التکلیف لا یتاتی مع العجز -

(کذا فی الکفایہ والمستخلص شرح کنز)

اور کفایہ حاشیہ ہدایہ مین ہے کہ جہاد کی شرط یہ ہے کہ جہاد کرنے والے صاحب وسعت ہون اور دشمن کے ڈیفنس (مدافعت) کی طاقت رکھیں - عجز وکمزوری کے ساتھ جہاد کا حکم نہیں ہے - ایسا ہی مستخلص شرح کنز مین ہے -

جہاد کے لئے امام کے موجود ہونے کی شرط پر یہ حدیث دلیل ہے جو بخاری ومسلم نے اپنی کتابون مین نقل کی ہے کہ امام ڈھال

عن ابی هریرة عن النبیؐ قال انما الامام جنة یقاتل من وراءه ویتقی به (بخاری ۴۱۵ مسلم ۱۲۸)

ہے اسکی آڑ مین لڑین اور اسکو اپنا بچاؤ بنائین ۔

اس حدیث کی شرح مین امام **نووی** نے کہا ہے کہ امام مسلمانون کے لئے آڑ یا پردہ کی مثل ہوتا ہے مسلمانون کو دشمنون کی تکلیف سے بچاتا ہے ۔ اس کی آڑ مین لڑنے کے یہ معنے ہین کہ اس کے ساتھ ہوکر کافرون سے (یعنے جو لڑنے کے لائق ہون) اور باغیون اور خارجیون وغیرہ اہل فساد وظلم سے لڑین ۔

انما الامام جنة ای کالستر لانه یمنع العدو من اذی المسلمین ویمنع الناس بعضهم من بعض ویحمی بیضة الاسلام ویتقیه الناس ویخافون سطوته ومعنی یقاتل من ورائه ای یقاتل معه الکفار والبغاة والخوارج وسایر اهل الفساد والظلم مطلقاً۔

(شرح مسلم ج۲)

اور ملا علی قاری نے **مرقاۃ** مین اس حدیث کی شرح مین کہا ہے ۔ کہ امام سے مراد خلیفہ وقت ہے یا جو اسکا تجویز کیا ہوا امیر ہو وہ سپر کی مانند ہوتا ہے ۔ جس کے آڑ مین لڑین اور اس کو اپنا بچاؤ بنائین یہ اس کے سپر ہونے کا بیان ہے کیونکہ امام یا اس کا نائب امیر لڑائی مین قوم کے آگے ہوتا ہے ۔ لوگ اسی کی مدد اور قوت سے لڑتے ہین

انما الامام ای الخلیفة او امیره جنة بضم الجیم کالترس فهو تشبیه بلیغ یقاتل بصیغة المجهول من ورائه بکسر المیم یاتی به بیان لکونه جنة ای یکون امیر فی الحرب قدام القوم لیستظهروا

وفیہا تلویح بقوتہ کالترس المتترس والاولی ان یحمل علی جمیع الاحوال لان الامام یکون ملجأً للمسلمین فی حوائجہم دائماً

(مرقاۃ ملا علی قاری)

اور اگر اسکو ہر حال مین (لڑائی ہو یا نہو) سپر کہین تو بہتر ہے کیونکہ امام مسلمانون کا ان کے سب کامون مین جائے پناہ ہوتا ہے ۔

ایساہی شیخ عبدالحق نے شرح مشکوۃ مین کہا ہے اور مولوی محمد اسمعیل مرحوم دہلوی نے (جو گروہ اہلحدیث کے ایک ٹدی ممبر تھے) رسالہ منصب امامت مین احکام خلیفہ راشد کے بیان مین کہا ہے "وازانجملہ توقف عبادات شرعیہ برموافقت امر او یعنے چنانکہ عبادات دینیہ وطاعات شرعیہ اگر مطابق سنت نبویہ باشد مقبول است والامردود ہمچنان صحت جمعہ واعیاد وجہاد وحدود وتعزیرات ہمہ متوقف است بر امر امام قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انما الامام جنۃ یقاتل من وراءہ ویتقی بہ" اور اس مسئلہ کی تائید ان عبارات مین بھی موجود ہے جو سوال آیندہ کے جواب مین منقول ہونگی جن مین صاف تصریح ہے کہ جہاد کرنا امام ہی کا کام ہے۔

یہان یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام جس کو اس حدیث مین جہاد کے لئے شرط ٹھہرایا گیا ہے کسکو کہتے ہین اور اس مین کن اوصاف وشروط کا پایا جانا اسلام واہل اسلام نے ضروری قرار دیا ہے۔ اور ان شروط واوصاف کا آج اس زمانہ مین کسی حصہ زمین مین موجود ہے یا نہین ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اسلامی کتابون مین امامت کے دو قسم بیان ہوئے ہین ایک چھوٹی امامت جو نماز کے پیش امام مین پائی جاتی ہے دوسری بڑی امامت جو خلیفہ وقت اور امام زمانہ مین پائی جاتی ہے ۔ اس حدیث مین وہی امام مراد ہے جسمین امامت قسم دوم پائی جاتی ہے ۔ کیونکہ اس حدیث مین لڑائی کے آگے ہونا اور مسلمانون کو ان کے دشمنون سے بچانا امام کا کام بیان کیا گیا ہے ۔ جو امام قسم اول کا کام نہین ہے ۔ اس امام قسم ثانی کے لئے کتب فقہ و عقاید مین بہت سی شرطین بیان ہوئی ہین جو ایک مدت سے یک قلم مفقود ہین ۔ درمختار مین ہے ۔ "امامت دو قسم ہے چھوٹی اور بڑی ۔ بڑی امامت لوگون پر عام تصرف و اختیارات کے استحقاق کا نام ہے جسکی تحقیق علم کلام مین ہے ۔ ایسے امام کے لئے یہ شروط ہین کہ وہ مسلمان ہو ۔ غلام نہو ۔ مرد ہو ۔ عورت یا بچہ نہو عقلمند صاحب قدرت ہو اور قریشی ہو ۔ یہ شرط نہین کہ وہ خاص کر ہاشمی یا علوی ہو اور معصوم ہو ۔ چھوٹی امامت اس تعلق کا نام ہے جو نماز کی

باب الامامة هي صغرى وكبرى فالكبرى استحقاق تصرف عام على الانام وتحقيقه في علم الكلام ونصبه اهم الواجبات فلذا قدموه على دفن صاحب المعجزات ويشترط كونه مسلماً حرًا ذكرًا عاقلاً بالغاً قادراً قرشياً لا هاشمياً علوياً معصوماً ۔ والصغرى ربط صلوة المؤتم بالامام (درمختار مث)

پیش امام کو مقتدیون سے ہوتا ہے ۔

ملا علی قاری کی شرح فقہ اکبر میں ہے۔

ان المسلمین لابد لهم من امام یقوم بتنفیذ احکامهم واقامة حدودهم وسد ثغورهم وتجهیز جیوشهم واخذ صدقاتهم وقهر المتغلبة والمتلصصة وقطاع الطریق واقامة الجمع والاعیاد وتزویج الصغار والصغائر الذین لا اولیاء لهم وقسمة الغنائم ونحو ذلک من الواجبات الشرعیة التی لا یتولاها احاد الامة × × ثم یشترط للامام ان یکون قرشیاً لقوله علیه السلام الائمة قریش وهو حدیث مشهور ولیس المراد به الامامة فی الصلوٰة اتفاقاً فتعینت الامامة الکبری خلافاً للخوارج × × × × ولا یشترط ان یکون

مسلمانون کے لئے ایسے امام کا ہونا ضروری ہے جو ان میں احکام اور حدود شرعی کو جاری کرے اور انکی سرحدون کو محفوظ رکھے۔ اور انکے لشکر تیار کرے اور ان سے زکوٰۃ وغیرہ صدقات وصول کرے۔ اور ان پر غلبہ پانے والون اور چورون اور رہزنون کو مغلوب کرے اور ایسے ہی اور امور جنکو عام لوگ نہیں کر سکتے۔ × × × × × پھر امام کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ قریش ہو کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے آئمہ قریش سے ہون یہ حدیث مشہور ہے۔ اور اسمین نماز کا پیش امام بالاتفاق مراد نہیں ہے - لہذا اسمین خلیفہ وقت کا مراد ہونا متعین

الامام هاشمیاً وعلویاً ومعصوماً × × × ویشترط ان یکون من اهل الولایة المطلقة الکاملة بان یکون مسلماً حراً ذکراً عاقلاً بالغاً سائساً بقوة رایه ورویته بالقوة ومعونة بأسه وشوکته قادراً بعلمه وعدالته وکفایته وشجاعته علی تنفیذ الاحکام وحفظ حدود دار الاسلام وانصاف المظلوم من الظالم عن حدث المظالم۔

(شرح فقه اکبر ص ۱۴۶)

وسلم ہوا۔ اسکا ہاشمی یا علوی یا معصوم ہونا شرط نہیں۔ اور اس مین یہ شرط ہے کہ وہ عام اور کامل اختیارات کے لائق ہو یعنے مسلمان ہو۔ غلام نہو۔ مرد ہو۔ بچہ یا عورت نہو۔ صاحب سیاست وتدبیر وفکر وشوکت وقدرت ہو۔ اپنی علم وشجاعت عدالت سے احکام جاری کرنے اور حدود اسلام کے محفوظ رکھنے اور ظالم سے مظلوم کا حق دلانے پر قادر ہو۔

اور شرح **مواقف** مین ہے جمہور علماء اسپر ہین کہ امامت کا مستحق وہ شخص ہے جسمین شروط ذیل پائی جاوین

المقصد الثانی فی شروط الامامة الجمهور علی ان اهل الامامة ومستحقها من هو مجتهد فی الاصول والفروع لیقوم بامور الدین متمکناً من اقامة الحجج وحل الشبهة فی العقاید الدینیة

اول یہ کہ وہ مسایل اصول وفروع مین خود مجتہد ہو جس سے وہ امور دین کو قایم رکھے اور دینی عقاید پر دلایل قایم کر سکے اور شبہات جو لوگونکو عقاید اسلام مین پیدا ہون دور

مستقلا بالفتوى فى النوازل والاحكام
والوقايع نصًّا واستنباطا لان اهم
مقاصد الامامة حفظ العقايد
وفصل المحكومات ورفع المحاكمات
ولن يتم بدون هذا الشرط ورأى
وبصارة بتدبير الحرب والسلم
وترتيب الجيوش وحفظ الثغور
ليقوم بامور الملك شجاع قوى
القلب ليقوى على الذب على الحوزة
والحفظ لبيضة الاسلام بالثبات
فى المعارك كما روى انه عليه الصلوٰة
والسلام وقف بعد انهزام المسلمين
فى الصف قايلا انا النبى لا كذب +
انا ابن عبد المطلب * ولا سهولة ايضًا
فى اقامة الحدود وضرب الرقاب و
قيل لا يشترط فى الامامة هذه الثلاث
لانها لا توجد الصفات الآن مجتمعة

کر سکے۔ اپنے آپ احکام و حوادث
مین فتوی دے۔ نص قرآن و حدیث
سے خواہ اپنے اجتہاد و استنباط سے
کیونکہ عقاید اسلام کی محافظت اور
فصل خصومات و انفصال مقدمات امام
کے فرائض سے اہم ازیادہ مقصود
فرض ہے جو بلا وجود شرط اجتہاد پورا
نہین ہو سکتا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ
وہ ملکی و پولیٹیکل معاملات مین صاحب
رائے ہو اور لڑائی و صلح و آراستگی
لشکر و محافظت حدود کی تدبیرون
سے واقف ہو جس سے وہ ملکی انتظام
کر سکے تیسری شرط یہ ہے کہ وہ دل کا
بہادر ہو جس سے وہ ممالک اسلام سے
دشمن کو ہٹا سکے اور جماعت اسلام کی اپنی
ثابت قدمی سے حفاظت کرے جیسا کہ
آنحضرت صلعم سے منقول ہے کہ میدان

واذا لم یوجد کذلک فاما ان یجب
نصب فاقدها فیکون اشتراطها عبثا
لتحقق الامامة بدونها او یجب نصب
واجدها فیکون تکلیفا بما لا یطاق۔
نعم یجب ان یکون عدلا فی الظاهر
لئلا یجور فان الفاسق ربما یصرف
الاموال فی اغراض نفسه فیضیع الحقوق
عاقلا لیصلح للتصرفات الشرعیة والملکیة
بالغاً لقصور عقل الصبی ذکرا اذ النساءُ
ناقصات العقل والدین حرا لئلا یشغله
خدمة السید عن وظائف الامامة
ولئلا یحتقر فیعصی فان الاحرار یأبون
العبید ویستنکفون عن طاعتها فهذه
الصفات الثمانی والخمس شروط
معتبرة فی الامامة بالاجماع وفیه
اشارة الی ان القول لعدم اشتراط
الثلث الاول مما لا یلتفت الیه۔

جنگ سے لوگوں کے بھاگ جانے کے
بعد آپ تنہا کھڑے رہے اور یہہ فخریہ
اور دلاورانہ کلمات فرماتے تھے "میں نبی
ہوں اسمیں جھوٹ نہیں ہے"۔ میں
عبدالمطلب کا بیٹا ہوں" اور نیز شرعی
حدود (سزاؤں) کا قائم کرنا اور
قصاص ومقابلہ میں مجرموں اور ظالموں
کی گردن مارنا کوئی ہلکا کام نہیں جسکو
بزدل کرسکے۔ بعض علماء کا یہ قول
ہے کہ امام میں ان تین شرائط کا وجود
ضروری نہیں کیونکہ یہ صفات اسوقت
اکٹھی کسی شخص میں پائی نہیں جاتیں پھر یہ
اگر ان شرائط سے معرا امام کا مقرر
کرنا واجب ٹھہرایا جائے تو ان شروط کا
اعتبار عبث ہوتا ہے اور اگر ان شرائط کا
جامع امام کا مقرر کرنا واجب ٹھہرایا جائے
تو یہ ایک ایسے امر کو واجب ٹھہراتا ہے

وهنا صفات اخري فى اشتراطها خلاف الاول انيكون قريشيا اشترطه الاشاعرة والجبائيان ومنعه الخوارج وبعض المعتزلة لنا قوله عليه السلام الايمة من قريش ثم ان الصحابة عملوا بمضمون هذا الحديث فان ابابكر استدل به يوم السقيفة على الانصار حين نازعوا فى الامامة بمحضر من الصحابة فقبلوه واجمعوا عليه فصار دليلا قاطعاً يفيد اليقين باشتراط القريشية احتج المانعون من اشتراطها بقوله عليه السلام السمع والطاعة ولو عبداً حبشيا فانه يدل على ان الامام قد لا يكون قريشيا ۔ قلنا ذلك الحديث فيمن امره الامام اى جعله اميرا على سرية او على غيرها كناحية ويجب حمله على هذا دفعا للتعارض

جو طاقت سے باہر ہے۔ ان بجائے ان شرائط کے شرائط ذیل کا اعتبار ضرور ہے (۱) بحسب ظاہر عادل ہو کیونکہ فاسق (ظالم) لوگون کے مال اغراض فاسدہ مین صرف کرتا ہے اور حقوق کو تلف کرتا ہے (۲) وہ عاقل ہو جو شرعی اور ملکی تصرفات کی لیاقت رکھے (۳) وہ حد بلوغت کو پہنچا ہو کیونکہ لڑکے کی عقل ناقص ہوتی ہے (۴) وہ عورت نہو کیونکہ عورتین عموماً ناقص العقل ہوتی ہین (۵) وہ آزاد ہو۔ کیونکہ غلام اپنے مالک کی خدمت سے فارغ نہین ہوتا تو وہ خلافت کا کام کیونکر کرے گا یہ صفتین (پہلی تین ملا کر) آٹھ یا صرف آخری پانچ بالاتفاق امامت کی شرائط مین ہین مصنف کے اس قول مین یہ اشارہ ہے کہ پہلی تین کو

بينه وبين الاجماع او نقول هو مبالغة على سبيل الغرض ويدل عليه انه لا يجوز كون الامام عبدا اجماعاً الثانية من تلك الصفات ان يكون هاشميا شرطه الشيعة۔ الثالثة ان يكون عالما بجميع مسايل الدين اصولها و فروعها بالفعل لا بالقوة وقد شرطه الامامية الرابعة ظهور المعجزة اذ به يعلم صدقه في دعوى الامامة و العصمة وبه قال الغلاة ويبطل هذه الثلثة واشتراطها في الامامة انا ندل عنقريب على خلافة ابی بكر رضی الله عنه وكونه اماما حقا و لا يجب شيء مما ذكر من تلك الاوصاف فان كونه هاشميا ممتنع والاخيران لا يصيان له اجماعاً الخامسة ان يكون معصوما شرطه الامامية والاسماعيلية

شرط نہ ٹھہرانا لائق التفات نہیں ہے۔ خلافت میں بعض **صفات** ایسی ہیں جنکے شرط ہونے میں بعض لوگوں کو **اختلاف** ہے **پہلی** شرط خلیفہ کا قریشی ہونا اشاعرہ اسکو شرط ٹھہراتے ہیں۔ خارجی اور بعض معتزلی اس کے انکاری ہیں۔ ہماری دلیل شرط ہونے پر آنحضرتؐ کا یہ قول ہے کہ امام قریش کے ہونے چاہئیں۔ پھر اس قول آنحضرتؐ پر آنحضرت کے اصحاب نے عمل کیا ہے جبکہ سقیفہ کے دن انصار نے امامت میں جھگڑا کیا تھا تو حضرت ابوبکرؓ نے اس قول سے تمسک کیا جسکو سب نے تسلیم کر لیا اور اسپر اتفاق کیا یہی اتفاق اسبات پر یقینی دلیل ہے کہ قریشی ہونا شرط خلافت ہے جو لوگ اس شرط کو نہیں مانتے وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ

ونبطلہ ان ابابکرؓ لا یجب عصمتہ اتفاقاً مع ثبوت امامتہ

(شرح مواقف ص۲۳

لئے حکم دیا ہے کہ امیر یا حاکم کا حکم مانو اگرچہ وہ حبشی غلام ہو جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی امام قریشی نہین بھی ہوتا

اسکے جواب مین ہم کہتے ہین یہ حدیث اس حاکم یا امیر کی نسبت ہے جسکو قریشی امام وقت نے کسی لشکر یا کسی جگہ کا امیر بنا دیا ہو اس حدیث کے یہی معنے کرنا چاہیے تاکہ اس حدیث مین اور اُن حادیث مین جو قریش کو امامت کے لئے مخصوص کرتے ہین تعارض نہو یا یون کہین کہ یہ فرضی طور پر مبالغہ کیا گیا ہے اسلئے کہ حقیقۃً غلام بالاتفاق امام نہین ہو سکتا۔ **دوسری** شرط اختلافی امام کا ہاشمی ہونا ہے اسکو شیعہ شرط ٹھہراتے ہین **تیسری** شرط یہ ہے کہ وہ مسایل اصول و فروع کو دم نقد جانتا ہو صرف علم رکھتا ہو۔ امامیہ نے یہ **چوتھی** بھی شرط کی ہے کہ امام صاحب معجزہ ہو جس سے اسکے دعوی کی تصدیق ہو۔ ان شروط کے ناجایز ہونے پر یہ دلیل ہے کہ ہم عنقریب صدیق اکبر کی خلافت بدلایل ثابت کرین گے جنمین یہہ شرطین پائی نہین گئین **پانچوین** شرط یہہ ہے کہ امام معصوم ہو یہ شرط امامیہ اور اسماعیلیہ نے لگائی ہے اور اسکا ابطال بھی اس سے ظاہر ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی امامت بدلایل ثابت ہے اور وہ معصوم نہ تھے۔

**شرح مقاصد** مین بھی ان شروط وصفات امامت کو تسلیم کیا ہے اور یہ

فان قیل لو وجب نصب الامام لزم اطباق الامۃ فی اکثر الاعصار علی ترک الواجب لانتفاء الامام المتصف بما یجب من الصفات سیما بعد انقضاء الدولۃ العباسیہ والاوّل والّلازم منتف لان ترک الواجب معصیۃ وضلالۃ والامۃ لا تجتمع علی الضلالۃ قلنا انما یلزم الضلالۃ لو ترکوہ عن قدرۃ واختیار لا عجز واضطرار (شرح مقاصد)

یہ اعتراض وارد کیا ہے کہ ایسی صفات کا امام تو ایک مدت سے دجب سے کہ خلفاء عباسیہ کی خلافت تمام ہوئی ہے مفقود ہوچکا ہے پھر اگر ایسے امام کا مقرر کرنا مسلمانوں پر واجب ہے تو امت محمدیہ کا تارک واجب اور گنہگار ہونا لازم آیا۔ پھر اسکا یہہ جواب دیا ہے کہ امت کا گنہگار یا تارک واجب ہونا تب لازم آتا جبکہ وہ قدرت واختیار کے ساتھ امام مقرر نکرتے جب وہ ایسے امام کے مقرر کرنے سے عاجز وناچار ہیں تو وہ تارک واجب وگنہگار کیونکر ہوسکتے ہیں *

اس زمانہ میں ایک عالم اہلحدیث ابو حفص **محمد بن ابی احمد المدنی الحسینی** نے ایک کتاب موسوم **بحسن المساعی الی نصح الرعیۃ والراعی** احکام امام ورعیت میں تالیف کی ہے جو ۱۳۰۳ھ مطابق ۱۸۸۵ء بہوپال یا آگرہ میں طبع ہوکر شایع ہوئی ہے اسمیں بھی اسی تفصیل سے شروط امامت کو بیان کیا اور دلایل قرآن حدیث سے ان کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔

ایسا ہی اور متکلمین ومحدثین متقدمین ومتاخرین نے ان شروط کو بیان کیا ہے اور عقلی ونقلی دلایل سے اسکا ثبوت دیا ہے۔ علی الخصوص قریشی ہونے امام کی شرط کہ اس کی ثبوت پر کتب حدیث میں بہت زور دیا گیا ہے۔ لہذا ہم بھی اسکی تائید میں چند احادیث واقوال محدثین کو نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے چنانچہ حضرت ابوہریرہ نے آپ سے نقل کیا ہے۔ (۱) امام (خلفا) قریش سے ہونگے یا ہونے چاہئیں۔ (۲) اور آپ نے فرمایا ہے چنانچہ ابوہریرہ نے نقل کیا ہے (۳) ملک یعنی خلافت چنانچہ عتبہ بن عبدان کی روایت میں آیا ہے (قریش کے لئے ہے (۴) اور آپ نے فرمایا ہے (چنانچہ حضرت علی مرتضی نے روایت کیا ہے) امیر قریش سے ہیں (یا ہونے چاہئیں) نیکوکار نیکوں کے لئے بدکار بدکاروں کے لئے۔

(۵) اور آپ نے فرمایا ہے (چنانچہ ابوہریرہ رض نے آپ سے نقل کیا ہے کہ لوگ اس

(۱) الائمۃ من قریش (امام احمد
طبرانی ابو یعلی)

(۲) الملک فی قریش (ترمذی)

(۳) الخلافۃ فی قریش (امام احمد)

(۴) الامراء من قریش ابرارھا امراء
ابرارھا وفجارھا امراء فجارھا (البزار)
(تاریخ الخلفاء شیخ جلال الدین سیوطی
شافعی)

(۵) الناس تبع لقریش فی ھذا الشان
مسلمھم لمسلمھم وکافرھم لکافرھم
(صحیح مسلم ص ۱۱۹ جلد ۲)

(۶) لایزال ھذا الامر فی قریش مابقی

من الناس اثنان۔ (مسلم ص۱۱۹ و بخاری ص۱ واللفظ لمسلم)

(۷) ان هذا الامر فی قریش لا یعادیهم احد الا کبه الله علی وجهه ما اقاموا الدین (بخاری ص۱)۔

امر (خلافت) میں قریش کے تابع ہیں۔ مسلمان مسلمانوں کے کافر کافروں کے (۶) اور آپ نے فرمایا ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر نے نقل کیا ہے یہ امر (خلافت) ہمیشہ قریش کے لئے رہے گا (یعنے) وہی اسکے مستحق ہوں گے جبتک کہ دو آدمی بھی دنیا میں رہیں •

(۷) اور آپ نے فرمایا ہے (چنانچہ امیر معاویہ نے آپ سے نقل کیا ہے) یہہ امر (خلافت) قریش میں رہے گا۔ جو کوئی ان سے دشمنی (یا مقابلہ) کریگا خدا اسکو موہنہ کے بل ڈالے گا جب تک کہ وہ دین کو قایم رکھیں گے۔

**صحیح مسلم کی شرح** میں امام نووی نے فرمایا ہے یہہ حدیثیں اور جو انکی مثل میں ابات یہہ دلیل ہے کہ خلافت قریش سے مخصوص ہے بجز قریش کسی کے لئے عقد خلافت جائز نہیں ہے اسپر صحابہ کے زمانہ میں اور ان کے بعد اجماع ہو چکا ہے اور جن اہل بدعت (خوارج و معتزلہ) نے اسمیں اختلاف کیا ہے وہ باجماع صحابہ و تابعین احادیث صحیحہ سے مغلوب ہے قاضی عیاض نے فرمایا ہے کہ امام کے قریشی

هذه الاحادیث واشباهها دلیل ظاهر ان الخلافة مختصة بقریش لا یجوز عقدها لاحد من غیرهم وعلی هذا انعقد الاجماع فی زمن الصحابة و وکذالك بعدهم ومن خالف فیه من

اهل البدع او عرض بخلاف من غيرهم
فهو محجوج باجماع الصحابة والتابعين
فمن بعدهم بالاحاديث الصحيحة
قال القاضي اشتراط كونه قرشيا هو
مذهب العلماء كافة قال وقد احتج به
ابوبكر وعمر على الانصار يوم السقيفه
فلم ينكره احد قال القاضي وقد
عدها العلماء في مسايل الاجماع ولم
ينقل عن احد من السلف فيها قول
ولا فعل يخالف ما ذكرنا وكذلك من
بعدهم في جميع الاعصار قال ولا
اعتداد بقول النظام ومن وافقه من
الخوارج واهل البدع انه يجوز كونه من
غير قريش ولا بسخافة ضرار بن عمرو
في قوله ان غير القرشي من النبط وغيرهم
يقدم على القرشي لهوان خلعه ان
عرض منه امر وهذا الذي قاله من

ہونے کی شرط تمام علماء کا مذہب ہے
اس سے ابوبکر صدیق نے سقیفہ کے
دن استدلال کیا تو کسی نے اسکو رد
نہیں کیا قاضی عیاض نے فرمایا ہے
کہ اس مسئلہ کو علماء نے اجماعی مسایل
سے شمار کیا ہے اور سلف و خلف سے
اسکا مخالف کوئی قول یا فعل منقول
نہیں ہوا۔ اور فرمایا ہے کہ نظام
(معتزلی) اور اسکے ہم مذہب خارجیوں
اور بدعتیوں کے اس قول کا ''غیر قریش
بھی امام ہو سکتا ہے'' کچھ اعتبار نہیں
ہے۔ اور نہ ضرار بن عمرو کی اس حماقت کا
اعتبار ہے جو اسکے اس قول میں پائی
جاتی ہے کہ غیر قریش (نبطی وغیرہ)
امام ہو تو وہ قریش سے مقدم ہے۔
کیونکہ اسکو خلافت سے برطرف کرنا
آسان ہوتا ہے جب اس سے کوئی امر

باطل القول وزخرفه مع ما هو علیه من مخالفة اجماع المسلمین ۔ واللہ اعلم (شرح مسلم نووی ص۱۹ جلد۲)

موجب بطرفی سرزد ہوا اسکا یہہ قول باطل ہے اور طمع اور تمام مسلمانون کے برخلاف ہے"۔

عمدۃ القاری اور فتح الباری شرح صحیح بخاری مین لکھا ہے کہ امام قرطبی نے

قال القرطبی هذا الحدیث خبر عن المشروعیة ای لا ینعقد الامامة الکبری الا لقریش مهما وجد منهم احد وکانه جنح الی انه خبر بمعنی الامر (عینی و فتح الباری)

فرمایا ہے کہ آنحضرت صلعم کا یہہ قول کہ خلافت قریش مین رہیگی خلافت کے حکم شرعی کا بیان ہے کہ بجز قریش خلافت کسی کے لئے صحیح نہوگی جب تک کہ کوئی ایک ان مین سے موجود رہے گا۔

ان کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس خبر کے معنے امر ہونیکیطرف مایل ہوئے ہین"۔

اس تفصیل سے ناظرین کو بخوبی معلوم ہوگا کہ امام جسکو اس حدیث مین شرط جہاد یا سپر ٹہرایا گیا ہے کسکو کہتے ہین اور اس مین کن کن شرائط و اوصاف کا ہونا ضروری ہے ۔ اور اسکے ساتھ ہی یہہ بھی معلوم ہوگا کہ ایسا امام آجکل کیا ایک مدت سے روی زمین سے مفقود ہے اور آئندہ بھی بنظر ظاہر اسباب وحالات اسکا موجود ہونا مشکل نظر آتا ہے گو خداوند کریم کی قدرت مین سب کچھ ہے ۔

مسلمانون کے بحالت ناچاری بلا امام رہنے اور معہذا گناہ گار یا ناقص الایمان نہونے پر دلیل یہ حدیث ہے جو امام بخاری نے اپنی کتاب مین اس عنوان کہ جب مسلمانون کی کوئی جماعت نہ ہے" کے باب مین حذیفہ سے نقل کی ہے کہ انہون نے فرمایا۔ لوگ آنحضرت صلعم سے بھلائی کا

باب کیف الامر اذا لم تکن جماعة حدثنا محمد بن المثنی قال حدثنا الولید بن مسلم قال حدثنا ابن جابر قال حدثنی بسر بن عبید الله الحضرمی انه سمع حذیفة بن الیمان یقول۔ کان الناس یسئلون رسول الله صلی الله علیه واله وسلم عن الخیر وکنت اسئله عن الشر مخافة ان یدرکنی فقلت یا رسول الله صلعم انا کنا فی جاهلیة وشر فجاءنا الله بهذا الخیر فهل بعد هذا الخیر من شر قال نعم قلت وهل بعد ذلك الشر من خیر قال نعم وفیه دخن قلت وما دخنه

حال پوچھتے تھے مین آپ سے برائی کا حال پوچھا رہتا اس ڈر کے مارے کہ وہ برائی مجھے نہ آلگے مینے پوچھا یا رسول اللہ ہم ایک زمانہ جاہلیت (کفر) اور برائی مین رہے۔ پھر خدا تعالے یہہ خیر (اسلام) لایا اس خیر کے بعد بھی برائی آنے والی ہے؟ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہان مینے عرض کیا اس برائی کے بعد بھی خیر آئیگی آپ نے فرمایا ہان پر اسمین دھندلا پن ہوگا۔ مینے عرض کیا وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ایسی قوم پیدا ہوگی جو میری راہ کے بغیر اور راہ چلیگی۔ ان مین تم

قال قوم یہدون بغیر ہدیی تعرف
منہم وتنکر قال قلت فہل بعد ذلک
الخیر من شر قال نعم دعاۃ علے
ابواب جہنم من اجابہم الیہا قذفوہ
فیہا قلت یا رسول اللہ صفہم لنا قال
ہم من جلدتنا ویتکلمون بالسنتنا
قلت فما تامرنی ان ادرکنی ذلک قال
تلزم جماعۃ المسلمین وامامہم قلت فان
لم یکن لہم جماعۃ ولا امام قال فاعتزل
تلک الفرق کلہا ولو ان تعض باصل
شجرۃ حتی یدرکک الموت وانت
علے ذلک۔ (صحیح بخاری ص۱۰۴۹
صحیح مسلم ص۱۲۷ جلد ۲ وغیرہ

اچھی باتیں بھی پاؤگے بری بھی۔ مینے
عرض کیا اس خیر کے بعد بھی برائی
ہوگی آپ نے فرمایا ہاں دوزخ کے
دروازہ پر بلانے والے لوگ ہونگے
جسنے ان کا کہنا مانا اسکو وہ جہنم میں
پھینک دینگے۔ مینے عرض کیا یارسول
اللہ آپ ان کا کچھ حال بیان فرمادیں
آپ نے فرمایا وہ ہم میں سے ہونگے
اور ہماری ہی بولی بولیں گے (یعنے
کلمۂ اسلام کہیں گے) مینے عرض
کیا یارسول اللہ آپ کیا حکم دیتے ہیں
اگر مجھ پر وہ دن آئے آپ نے فرمایا
تم مسلمانوں کی جماعت اور امام کے ساتھ
ہوجاؤ۔ مینے عرض کیا یارسول اللہ اگر کوئی جماعت اور امام نہو تو آپ نے
فرمایا پھر سب فرقوں سے کنارہ ہوجائیو اگرچہ درخت کی جڑ دانت سے
کاٹے (یعنے کھانے کے لئے بجز درخت کچھ نہ ملے) اسی پر ہو یہانتک کہ
تجھے موت آپہنچے ◆

## مسئلہ ہفتم و نہم و دہم کے نتائج

(۱) اکثر اوقات جو بعض ناواقف مسلمان بلا جمعیت و سامان سو پچاس بلکہ دس بیس بلکہ دو چار آدمی ملکر اپنے سے وہ چند مخالفین مذہب پر حملہ کرتے ہین۔ اور اپنی کمی اور بے سامانی کے سبب شکست کھاکر پسپا ہوتے ہین اور بعض اسی مین مارے جاتے ہین ان کا یہ فعل جہاد نہین ہے سراسر فساد ہے خواہ اس مین باقی شروط جہاد موجود بھی ہون اور کوی مانع منجملہ موانع مذکورہ سابق متحقق نہو +

بعض سرحدی نادان ناواقف از احکام اسلام و قران تن تنہا ایک سیر آٹا یا ستو باندھ کر غازی یا شہید ہونے کی نیت سے چل پڑتے ہین اور کسی کیمپ یا چھاونی انگریزی مین پہنچکر کسی افسر یا فوجی ملازم کو مار ڈالتے ہین پھر اسکی سزا مین پھانسی پاتے ہین یہ اور بھی فساد و بغاوت اور عناد ہے۔ ایسی صورتون سے اپنی جان کو ہلاک کرنا حرام موت مرنا ہے۔ اور بہشت کی خوشیون سے محروم رہنا۔ اور ایسے فسادون کو جہاد سمجھنا اور اسمین شہادت کی ہوس کرنا سراسر جہالت و حماقت ہے۔

(۲) شرعی جہاد تب ہی مفقود ہے جب سے شرعی امامت و خلافت دنیا سے مفقود ہوئی ہے۔ بناءً علیہ پچھلے سلاطین اسلام (جو قریشی نہ تھے اور نہ دوسری

شرائط و اوصاف امامت ان مین پاے جاتے تھے انکی لڑائیون کو جو بنام نہاد جہاد انہون نے کین ہین شرعی جہاد نہین کہا جا سکتا +

یہ نتیجہ فقہاء و محدثین متقدمین و متاخرین مین مسلم ہے - گو اس کی دلیل انہون نے یہ بیان کی ہے کہ ان کی غرض اس جہاد سے وہ نہ تھی جو شرعی جہاد سے غرض ہے - (دیکھو تاریخ عجائب المقد تاریخ الخلفا - رسالہ منصب امامت مولوی محمد اسمعیل مرحوم دہلوی اور بدر طالع قاضی محمد بن علی شوکانی وغیرہ تصانیف متقدمین و متاخرین) .

ان دو نتیجون سے یہ ایک اور نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ اس زمانہ مین بھی شرعی جہاد کی کوئی صورت نہین ہے - کیونکہ اسوقت نہ کوئی مسلمانون کا امام موصوف بصفات و شرائط امامت موجود ہے اور نہ ان کو ایسی شوکت و جمعیت حاصل ہے جس سے وہ اپنے مخالفون پر فتحیاب ہونے کی امید کر سکین +

ہم جب کبھی بعض اخبارات مین یہ خبر دیکھتے ہین کہ سلطنت روم یا ریاست افغانستان وغیرہ بلاد اسلام سے جہاد کا اشتہار دیا گیا ہے تو ہمکو سخت تعجب ہوتا ہے اور اس خبر کا یقین نہین آتا - اور یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسوقت روے زمین پر امام کہان ہین جنکی پناہ مین اور انکے امر و اجازت سے مسلمان جہاد کر سکین اور ایسی جمعیت و شوکت کسکو میسر ہے جس سے وہ اپنے دشمنون اور مخالفون پر

فتحیاب ہونے کی امید رکھیں۔

(۳۳) مسلمانون کی موجودہ حالت کہ انمین نہ کوئی امام ہے اور نہ جمعیت و سامان جہاد انکو حاصل و میسر ہے" بالکل قابل اطمینان ہے علے الخصوص حالت مسلمانان ہند (جنکو موجودہ سلطنت کے ظل حمایت مین مذہبی آزادی پوری حاصل ہے) اور بھی طمانیت بخش ہے اس حالت پر نہ مسلمانون کو اپنے دین کے نقصان یا گناہ کا خوف کرنا چاہئے اور نہ ان کے حاکم وقت برٹش گورنمنٹ کو ان کی طرف سے یہ خوف رکھنا چاہئے کہ وہ اپنی اس حالت کو نقصان و گناہ کی حالت سمجھکر اس حالت کو بدلانے اور اپنے لئے کوئی امام یا سامان جہاد بہم پہنچانے مین سعی کرین گے۔ اور کبھی نہ کبھی گورنمنٹ کے مخالف ہو جائین گے۔ یہ خوف و یقین کا اسوقت بیجا تھا جبکہ جہاد اسلام کا اصلی فرض ہوتا اور تقرر امام کے سوا مسلمانون کا اسلام صحیح یا کامل نہوتا۔

اور جبکہ ان باتون کی اس رسالہ مین اول و اخیری مسئلہ مین بخوبی نفی ہو چکی ہے تو اس خوف کا مسلمانون یا گورنمنٹ کو کونسا موقع و محل ہے۔

یہ مسئلہ جہاد کے متعلق اسلام و اہل اسلام کے علمی خیالات ہین۔ رہی ان کے عملی حالات اور تاریخی واقعات کہ پیغمبر اسلام علیہ السلام اور ان کے پیروان کرام کا عمل ان خیالات کے مطابق کیونکر رہا ہے۔ اور ان کی لڑائیون اور چڑھائیون مین ان شروط و مسایل کا تحقق کیونکر ہوا ہے اسکی تفصیل ہم اس

رسالہ کے دوسرے حصہ مین کرینگے۔ اگر توفیق الٰہی رفیق ہوئی ◆

**ان مسایل عشرہ** سے جو اس حصہ مین بیان ہوئی ہین ہماری وہ دو غرضین جنکو ہم شروع رسالہ مین بیان کر چکے ہین بخوبی حاصل ہونگے۔

ناواقف مسلمانون کو ان مسایل کے پڑھنے سے یہ علم ہوگا کہ جہاد کی بنا صرف مذہبی مخالفت پر نہین ہے اور ہر ایک مخالف مذہب سے بلا تحقیق شروط جہاد جائز نہین۔ علی الخصوص ان مخالفین مذہب سے جنکے ظل حمایت مین مسلمان رہین یا ان کے ساتھ ملکر با امن عمر بسر کرین ◆

اور اقوام غیر کو اگر وہ اس رسالہ کو انصاف سے پڑھین یہ یقین ہوگا کہ صرف مخالفت مذہبی سے مخالفین مذہب سے لڑنا۔ اور انکو زبردستی مسلمان بنانا اور بزور شمشیر اسلام پھیلانا اور سلطنت مخالف مذہب کی اطاعت سے خارج ہو جانا اور سلطنت غیر مذہب کے زیر سایہ رہکر اسکی بغاوت کا خیال دلمین لانا وغیرہ وغیرہ اسلام و سچے پیروان اسلام کا کام نہین ہے۔

ہم علماء مذاہب غیر سے جو اسلام کی نسبت ایسے خیالات ظاہر فرما چکے ہین بکمال ادب و اخلاص درخواست کرتے ہین کہ وہ اس حصہ رسالہ کو غور و انصاف سے ملاحظہ فرماوین پھر اگر اسکو حق و راستی پر مبنی پاوین تو اسکی تصدیق و تسلیم سے ہمکو اپنا ممنون بناوین اور اگر اسمین کوئی غلطی پاوین تو ہمکو اسپر آگاہ کرین فقط

تمت

ناشر مکتبہ الجمال چک ۱۲/۱۰ تحصیل خانیوال ڈاکخانہ جہانیاں منڈی ضلع ملتان